

جوشِ عمل

(از شفیق شاہ پوری)

نشاں حیات کا جس رہ گذر سے پائیں گے
ہم اُس کی خاک کو کحل البصر بنائیں گے

گرا کے اس فلکِ پیر کو بلندی سے
ہم اِس زمین پہ نیا آسماں بنائیں گے

جو مدتوں سے پڑے سو رہے تھے غفلت میں
ہم ایسے نیند کے ماتوں کو اب جگائیں گے

مٹا کے جہل کی تاریکیوں کو دنیا سے
جہاں میں علم کی شمعیں نئی جلائیں گے

بدن سے بے ہنری کا اُتار کر جامہ
لباس علم و ہنر زیب تن کرائیں گے

مٹا کے عرصۂ ہستی سے پستیِ افکار
بلند فکر و عمل کے نشاں لگائیں گے

بنا کے قصرِ وفا ایک مہر و الفت کا
نفاق و جنگ کے آتشکدہ کو ڈھائیں گے

نہ رہنے دیں گے کبھی تفرقہ مذاہب کا
وہ اتفاق کا دھارا یہاں بہائیں گے

قیام وحدتِ اقوام بزم عالم میں
ہم اپنے جوش قوت سے کر دکھائیں گے

بتا کے اہلِ جہاں کو وقار انساں کا
نشان ظلم و ستم دہر سے مٹائیں گے

پہاڑ توڑ کے اپنے عمل کے تیشہ سے
وطن کے عشق میں ہم جوئے شیر لائیں گے

جہاں خیال کا بھی ہو گذر محال وہاں
ہم اپنے عزم و ارادہ کے بل پہ جائیں گے

پہونچ کے امن و سعادت کے اوجِ رفعت پر
بلند لحن سے عظمت کے گیت گائیں گے

زمیں پہ تخم عمل بو کے اپنی محنت سے
ترقیات کے پھل سیر ہو کے کھائیں گے

غریب و بیوہ و محتاج اور امیر و کبیر
ہم ان کو عرش سعادات پر بٹھائیں گے

فضا میں حریت و عدل کے پھریرے کو
بہت قریب ہے وہ دن کہ ہم اڑائیں گے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

عرضِ حال

ہمارے ملک میں قدرت نے تمام دنیا کی نعمتیں پیدا کی ہیں، لیکن بدقسمتی سے ہم نفسانفسی میں پڑے ہیں، اور مل جل کر کام کرنا نہیں چاہتے، اسلئے ہمارے کاموں میں کوئی کامیابی نظر نہیں آتی، جرمنی اور جاپان کی حیرتناک ترقی کے اسباب میں سے سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ وہاں کی بستیاں ترقی کے راستہ پر چلنے کیلئے ہم خیال ہیں، وہاں کے شہر، صوبہ، سب ہم خیال ہوکر کام کر رہے ہیں اور ہم اپنی بستیوں میں منتشر حالت میں ہیں، مل جل کر کام کرنے کی عادت نہیں ہے، ہم آگے کی طرف بڑھ نہیں رہے ہیں بلکہ روز بروز پیچھے کی طرف ہٹ رہے ہیں؛ پچاس برس پہلے تک دیہاتوں میں ایسا اتحاد عمل تھا کہ جس کی نظیر نہیں ملتی، اگر ایک شخص کنواں بنانا چاہتا تو ساری بستی کے لوگ اس کا ساتھ دیکر کنواں تیار کر دیتے، کھیتوں میں سنچائی کے کام کے لئے ایک دوسرے کے ہاں جاکر مدد کرتے اور اس طرح مل جل کر سب کے کھیتوں میں پانی لگ جاتا، اور اب یہ حالت ہے کہ جہاں نہر کا پانی پہونچ رہا ہے وہاں سنچائی ہو رہی ہے اور جہاں

بڑی وغیرہ سے سینچائی کرنا ہے وہاں اکثر کھیت بلا سینچائی کے پڑے رہتے ہیں کیونکہ اکثر کسانوں کے پاس پانی لگوانے کے لئے نقد رقم نہیں ہوتی، کہ جو مزدوری میں دیکر کام نکالیں، اب سے پہلے محنت کا معاوضہ محنت سے ہوجاتا تھا، آج حامد نے محمود کے یہاں کام کرا دیا کل محمود نے حامد کا کام ملکر کرا لیا، ایسا کرنے سے نقدی کی خواہ مخواہ ضرورت سے نجات رہتی تھی اور کام بلا پیسے ہی کے نکل جاتے تھے، اور آپس میں اس طرح مل مل کر کام کرنے سے گاؤں کے باشندوں میں میل ملاپ تھا، اور گاؤں میں امیر و غریب کے برتاؤ میں فرق نہ تھا، آج امیر پیسہ دیکر کام کرا لیتا ہے اور اس طور پر وہ اپنے کو امیر سمجھتا ہے اور مزدوری لینے والا غریب کہلاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ امیری اور غریبی کا خیال دونوں کے لئے وبال جان ہے، آپس میں محبت اور یگانگت کے بجائے، نفرت اور عداوت ہے، بڑا پن اور چھوٹا پن ہے خوشحال کسان غریب کسان کو نظر حقارت سے دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مجھ کو غریب کسان کی امداد کی ضرورت نہیں ہے، اسکی وجہ سے امداد باہمی کا خیال دلوں سے نکل گیا، اور اس امداد باہمی سے گاؤں کی خوشحالی کو جو فائدہ اور کھیتی باڑی کو جو نفع پہونچ سکتا تھا اوسکی اُمید باقی نہیں رہی، کسانوں میں امداد باہمی کا یہ طریقہ کہ جس میں محنت کا معاوضہ محنت تھا کسانوں کے لئے بہت ہی نفع بخش تھا اس طریقہ سے سارا گاؤں اتحاد باہمی میں جکڑا ہوا تھا اور ہر ایک شخص کو دوسرے

کی ضرورت تھی، ان حالات میں ہر شخص کوشش کرتا تھا کہ بستی کے کسی شخص سے نہ بگاڑے، ورنہ اوس کے کاموں میں بادھا لگے گا اور وقت پر وہ کام نہ ہوسکیں گے، چنانچہ کبھی کبھی ایسا دیکھنے میں آیا کہ کسی شریر آدمی نے محنت کا معاوضہ کرنے سے جان بچانا چاہا، اور دوسرے کے کام میں ملکر محنت کا قرض ادا نہ کیا تو گاؤں والوں نے اس کے کاموں میں مدد کرنے سے ہاتھ کھینچ لیا اور اوسکے کام بگڑنے لگے اور وہ راہ پر آگیا، اگر ہم بستی والے مل جل کر رہیں اور کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنے لگیں تو اس محبت و الفت کی برکتیں ہم پر نازل ہونگی ہمارے کاروبار ٹھیک ٹھیک چلیں گے، گاؤں میں پارٹیاں نہ بنیں گی، آپس داری کے دباؤ سے لوگ بد چلنی اور آوارگی سے بچیں گے اور ہر قسم کی آنے والی مصیبتوں کا مقابلہ ساری بستی کے لوگ مل کر کرسکیں گے، تیار کھیتوں کے چرا کر کاٹ لینے اور فصلوں کو نقصان پہونچانے کی وارداتیں بند ہو جائیں گی اور اگر اس اتحاد نے اور ترقی کی تو ہم کوآپریٹو سوسائٹیاں قائم کرسکیں گے گانوں میں کلب اور تفریح گاہیں کوئیں اور تالاب بناسکیں گے، مل جل کر آٹا پیسنے کی چکی لگا سکیں گے، گانوں کی سڑکیں جو برسات میں چلنے پھرنے اور آسانی کے ساتھ کام کرنے کے قابل باقی نہیں رہتی وہ اسی باہمی امداد کے ذریعہ اچھی اور پختہ سڑکوں میں بدل

جائیں گی اور ایسے کام میں حکومت اور ڈسٹرکٹ بورڈ کی مدد کے محتاج رہنے کی کلفت سے نجات پا جائیں گے، ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہ رہیں گے، بلکہ آئے دن کوئی نہ کوئی ترقی کا کام کرتے رہیں گے، آج بھی دیہاتوں میں ہل جوتنے اور گیہوں دانئے کے وقت ایک دوسرے کا بیل لے جاتے ہیں اور جو شخص کسی کا بیل اپنی ضرورت کے لئے لے جاتا ہے وہ اسکی ضرورت کے لئے اپنا بیل بھی دیتا ہے بلکہ اگر اپنی ضرورت کے لئے ایک بیل لیا تھا تو دوسرے کی ضرورت کے لئے اپنے دو بیل دیتا ہے، لیکن ہم چاہتے ہیں کہ باہمی امداد کا طریقہ اسی حد تک محدود نہ رہے بلکہ یہ بہت آگے بڑھ جائے، اور باہمی امداد دیہات کی زندگی اور اسکی خوشحالی اور کسانوں کی ضروریات کے ہر کام میں دکھائی دینے لگے، دیہات کے لوگوں کا کوئی ایسا کام نہ ہو جو باہمی امداد کے حلقہ سے باہر ہو کر کیا جائے۔ اسکا سب سے بڑا فائدہ یہ ہو گا کہ دیہات والوں کو شہریوں کی کوئی محتاجی باقی نہ رہے گی بلکہ اپنی کھیتی باڑی اور کاریگری سے وہ شہریوں کو اپنا محتاج بنا لیں گے، ہر قسم کی مشینیں اور ضروریات زندگی کی چیزیں وہ اپنے بل بوتے سے پیدا کرنے لگیں گے، دوسرے باہمی محبت چوگنی اور دس گنی بڑھکر دیہات جنّت کا نمونہ نظر آنے لگے گا۔ مقدمہ بازی اور لڑائی جھگڑا جو آج دیہات کو سب سے زیادہ

تباہ و برباد کر رہا ہے ختم ہو کر دیہات کا سارا روپیہ دیہات کی ترقی اوس کی کھیتی باڑی اور بال بچوں کی شادی بیاہ، تعلیم و تربیت اور دوسری ضروریات میں صرف ہوگا، پھر مہاجن بھی دیہاتیوں کو اپنی قرض و دستاویز کی چکی میں نہ پیس سکے گا، اور یہ چیز باہمی امداد کے طریقوں پر دل کھول کر عمل کئے بغیر ناممکن ہے، لیکن اگر اسپر عمل کیا جائے تو آپ چند دنوں میں خود دیکھ لیں گے کہ کل کا دیہات آج کے دیہات سے کس قدر خوشحال اور کتنا ترقی یافتہ ہے، صرف احساس پیدا کرنے اور قوتِ عمل کی ضرورت ہے پھر دیہات کا بیڑا پار ہے۔

ہم رسالۂ ترقی میں زیادہ تر ایسے ہی مضامین چھاپ رہے ہیں کہ جو دیہات والوں کو ترقی کے راستہ پر لگائیں اور ان میں خوشحالی پھیلے اڈلٹ اسکول کے مدرسین اگر یہ مضامین ہندی پڑھنے والوں کو بھی پڑھ کر سنا دیا کریں تو بڑی خدمت ہو۔ بعض جگہ کے مدرسین ایسا کر رہے ہیں اور اس بات کا پتہ ان ہندی خطوط سے لگا کہ جو ہندی پڑھنے والے اڈلٹ نے بھیجے ہیں اور جن میں ذکر کیا ہے کہ ہمارے ماسٹر صاحب نے ہم کو رسالہ ترقی سنایا اس میں کا فلاں فلاں مضمون ہم کو بہت پسند ہے

بڑا بننے کے بھید

(از جمیل صاحب)

دنیا میں ترقی کرنے کے لئے دو چیزوں کی بہت ضرورت ہے نمبر۱ سمجھ نمبر۲ محنت دنیا میں جتنے بڑے بڑے آدمی ہوئے ہیں وہ سب انھیں دو چیزوں سے بڑھے۔ لیکن سمجھ ہو اور محنت نہ کی جائے تو بڑا بننا مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر سمجھ نہ ہو لیکن محنت خوب کی جائے تب بھی بڑا بننا مشکل ہوتا ہے کولھو کے بیل کو سب جانتے ہیں۔ کتنی محنت کرتا ہے لیکن اپنی محنت سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ اس کی محنت سے فائدہ کولھو والا اُٹھاتا ہے۔

سمجھ علم سے آتی ہے اور محنت ہمت کے بل پر کی جاتی ہے۔ بہت سے غریب اور گاؤں کے لوگ اپنے بچّوں کو نہیں پڑھاتے۔ وہ کہتے ہیں، پڑھے لکھوں کو نوکری نہیں ملتی وہ مارے مارے پھرتے ہیں۔ ہم اپنے بچّوں کو پڑھا کر کیا کریں۔ اصل میں یہ لوگ بہت غلط بات کہتے ہیں۔ پڑھنے سے سمجھ بڑھتی ہے اور پڑھنے کا یہی مطلب ہے۔ پھر یہ خیال کرو کہ جب پڑھے لکھے آدمیوں کو نوکری نہیں ملتی تو بے پڑھوں کو تو اور بھی نہ ملے گی۔ خیریت یہ ہے

کہ پڑھے لکھے آدمی ابھی تک کھیتی باڑی اور چھوٹے کاروبار سے الگ رہے ہیں۔ لیکن اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پڑھے لکھے ادھر بھی آئیں گے۔ اگر ان لوگوں نے معمولی کاموں میں ہاتھ ڈال دیا تو بے پڑھوں کو زندہ رہنا دشوار ہو جائے گا۔

پتھر توڑنے۔ پھاوڑا چلانے اور اینٹیں اٹھانے میں محنت خوب پڑتی ہے لیکن یہ سمجھ کر اینٹھ نہیں جانا چاہیئے کہ ہم محنتی ہیں۔ بلا سمجھ کے تمام محنتی لوگ گائے بیل کی طرح ہیں اور تمام سمجھ دار لوگ گائے بیلوں کو ہکانے والوں کی طرح ہیں۔

یہ خیال کرنا غلط ہے کہ ہم پڑھ نہیں سکتے یا ہمارے بچے پڑھ نہیں سکتے۔ پڑھنا لکھنا تو امیر آدمیوں کا کام ہے۔ پڑھنا لکھنا، جائداد کے بٹوارے کی طرح نہیں ہے کہ جو حصہ دار نہیں ہے وہ حصہ نہ پائیگا پڑھنا لکھنا ایک گہرے کنویں کی طرح ہے۔ جو کوئی اسمیں ڈول ڈالیگا اور اوپر کھینچنے کی محنت کریگا۔ اسکو پانی ضرور ملے گا۔

پڑھنے لکھنے سے عقل جلا پاجاتی ہے۔ پڑھے لکھے لوگ بے پڑھوں سے الگ معلوم ہوتے ہیں۔ پڑھنے لکھنے سے انسان صورت اور سیرۃ بدل لیتا ہے اور اس سے بڑھکر یہ کہ صورت ہی نہیں بدل لیتا بلکہ بھاگ یا قسمت کو بھی بدل دیتا ہے۔

دانتوں کی صفائی اور مضبوطی

(از مختار احمد صاحب کچھوچھوی)

انسان کی تندرستی کا دار و مدار اگر سچ پوچھو تو مضبوط دانتوں اور اُن کی صفائی پر ہے۔ آدمی کے دانت جس قدر صاف ستھرے اور مضبوط ہوں گے اُس کی تندرستی اور صحت اُسی قدر اچھی اور قابل اطمینان ہو گی، گندے اور خراب دانت، جنھیں برابر منجن سے خوب صاف نہیں کیا جاتا انسان کے بدن میں گھن لگا دیتے ہیں اور آدمی کی زندگی کو کم اور اُس کی تندرستی کو بالکل خراب و برباد کر دیتے ہیں، ہاضمہ ٹھیک نہیں رہتا جسکی وجہ سے بدن کو غذا نہیں لگتی اور جب بدن کو اُس کی پوری غذا نہ ملے گی تو وہ کمزور ہو کر طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہوتا رہے گا اور بہت ممکن ہے کہ اس کو کوئی ایسی چھوت دار گندی اور جان لیوا بیماری لگ جائے جس سے وہ نہ بچ سکے۔ لیکن جس کے دانت مضبوط اور صاف ہونگے جو اُنھیں روز مسواک اور منجن کے ذریعہ صاف کرتا ہو گا وہ جو کھائیگا وہ ہضم ہو گا، اور اُس سے صاف اور سُرخ خون بنے گا جس سے بدن

طاقت ور اور مضبوط ہوگا اور تمام خطرناک بیماریوں سے مقابلہ اور اُنکی روک تھام کے لئے تیار رہے گا، تندرست مضبوط اور صفائی پسند انسان ہیضہ، طاعون، کوڑھ، گرمی اور سل و دق کی بیماریوں میں کبھی بتلا نہیں ہوتا، اُس کو پھوڑے پھنسی کبھی نہیں نکلتے، اس کو سر کا درد اور پیٹ کا قبض کبھی نہیں ستاتے۔ کیونکہ اُس کے دانت صاف اور مضبوط ہونے کی وجہ سے اس کے پیٹ میں جو غذا پہونچتی ہے وہ پہلے سے منھ کی چکّی یعنی دانتوں کے ذریعہ باریک اور مہین ہو چکی ہوتی ہے اس لئے اس غذا کو ہضم کرنے کے لئے معدہ (پیٹ) کو بہت کم محنت کرنی پڑتی ہے اور معدہ اُس غذا کو اچھی طرح ہضم کر کے آنتوں میں پہنچا دیتا ہے آنتوں کو دوبارہ ایسی اچھی ہضم کی ہوئی غذا کو ہضم کر کے جگر اور بدن کے اندر پہنچانے میں بڑی آسانی اور سہولت ہوتی ہے۔ پس جگر اس غذا کے رس سے کافی مقدار میں صاف اور عمدہ خون بناتا ہے اور یہی عمدہ خون بدن میں پہونچ کر اُس کی طاقت اور قوت کا سبب بن جاتا ہے، لیکن اگر دانت کمزور اور گندے ہوتے اور صاف و مضبوط نہ ہوتے تو اُس میں کوئی نہ کوئی بیماری ضرور ہوتی۔ سیکڑوں گندے قسم کے چھوٹے چھوٹے

نہ دکھائی دینے والے اور خراب قسم کی بیماری پیدا کرنے والے کیڑے ہوتے، دانت کے اندر پیپ اور مواد ہونا، مسوڑھے کمزور ہوتے اور کبھی کبھی خود بخود بغیر کسی سبب کے خون دے دیا کرتے، ان کی کمزوری کی وجہ سے کبھی کبھی دانتوں میں درد بھی رہا کرتا، ایسی حالت میں جو غذا کھائی جاتی اوّل تو اُسے دانت اچھی طرح چبا کر باریک نہیں کر سکتے تھے، دوسرے اُس غذا میں دانت کی گندگی، اُس کے کیڑے، اُس کی پیپ، اُس کا خون سب مل جُل کر پیٹ میں پہونچتے - غذا چونکہ اچھی طرح چبائی ہوئی نہ تھی اس لئے معدہ یعنی پیٹ کو اُس کے ہضم کرنے میں کافی محنت کرنی پڑتی خیر وہ یہ بھی کر لیتا مگر اس غذا کے ساتھ جو دانت کی گندگی اور پیپ و مواد وغیرہ پیٹ میں پہونچ چکا ہے وہ معدہ کو ایسا خراب کر دیتا ہے کہ معدہ اچھا ہضم کرنے اور غذا کو پچانے کے قابل ہی نہیں رہ جاتا، اس لئے اس بے ہضم شدہ غذا سے جو خون بنتا ہے وہ کمزور، مقدار میں کم اور گندا بنتا ہے۔ پس جب ایسا گندا خون جسم میں پہونچے گا تو اوّل وہ جسم کو طاقت اور قوت نہیں دے سکتا ہے، اور دوسری طرف اس گندگی سے جو طرح طرح کی بیماریاں بدن میں خود بخود پیدا ہوں گی اور آئندہ خون کی گندگی اور

بدن کی کمزوری کی وجہ سے چھوت دار اور گندے قسم کی بیماریوں میں بدن ہر وقت مبتلا ہونے کے لئے تیار رہے گا۔ پس تمام لوگوں کو اپنے بال بچوں اور گھر بار اور خود اپنے متعلق ہمیشہ اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ وہ روز کم از کم ۲ بار مسواک اور دو بار منجن سے اپنے دانتوں کو صاف کر لیتے ہیں یا نہیں جو لوگ دانت صاف کرنے میں سستی کرتے ہوں اُنھیں سمجھائیں اور بتائیں کہ جسم کے اندر تندرستی کا دروازہ اور چوکی منھ اور اُس کے سب سے بڑے محافظ اور نگراں یا چوکی دار یہ بتیس سپاہی ہیں جو آدمی کی تندرستی کو عمدہ بنانے اور اُس کے جسم میں اچھی اور خطرہ سے خالی چیزوں کے پہنچانے کے ذمہ دار ہیں۔ بشرطیکہ آدمی انھیں اُن کے کام کرنے کا موقع دے اور انھیں میلا کچیلا رکھ کر بے کار اور کام کے ناقابل نہ کر دے۔

ایک ڈاکٹر لکھتا ہے کہ ایک شخص کے پیڑو میں پھوڑا نکلا اور پھوٹ بھی گیا مگر وہ کسی طرح بھرتا اور اچھا نہیں ہوتا تھا بہت سے ڈاکٹروں حکیموں اور ویدوں نے اُس کا علاج کیا۔ آخر مجبور ہو کر وہ میرے پاس آیا میں نے دیکھا کہ یہ شخص اپنے دانتوں کی صفائی کی طرف سے لاپرواہی برتتا ہے میں نے اُسے دن میں پانچ بار دانت صاف کرنے کی تاکید کی اور محض دانت

کی صفائی ہی سے اُس کا پھوڑا چند روز میں اچھا ہوگیا۔ یہ کیوں ہوا؟ اس لئے کہ پہلے اُس شخص کے بدن میں دانت کی گندگی کی وجہ سے خراب خون بنتا تھا اب دانت کی صفائی کی وجہ سے اچھا خون بننے لگا، جس سے اس کا بدن مضبوط اور طاقتور ہوکر اس کے پھوڑے کے خود بخود بھر ہو جانے کا سبب بن گیا۔ بس دوستو، دانت کی صفائی کی طرف سب سے پہلے توجہ کرو، سوکر اُٹھنے کے بعد اسی لئے دانت صاف کئے جاتے ہیں کہ بدن کو ہر گندگی سے پاک کرکے تندرست اور طاقتور رکھا جائے جس کے اندر قوم اور ملک کی ترقی کا راز پوشیدہ ہے۔

دانتوں کی صفائی اور بیماری کے چند نسخے

(۱) کڑوے تیل (۲۰ تولہ) میں نمک (۶ ماشہ) ملا کر خفیف گرم کرکے دانتوں پر ملنے سے اُس کے کیڑے گندگی اور مواد سب ختم ہوجاتے ہیں۔ اور دانت بہت مضبوط ہوجاتے ہیں۔

(۲) ببول (۵ تولہ) کی چھال جلا کر اس میں پیپل (۶ ماشہ)، کباب چینی (۶ ماشہ)، عقرقرحا (۶ ماشہ)، نوسادر (۳ ماشہ) اور گیرو (۱ تولہ) ملا کر ملنے سے دانت کے ہر مرض کو فائدہ ہوتا ہے۔

(۳) ہڈی (۲۰ تولہ) جلا کر اس میں نمک (۶ ماشہ) اور کالی مرچ (۶ ماشہ) ملا کر ملنے سے دانت مضبوط ہوتے ہیں۔

(۴) تمباکو کا ڈنٹھل [۵ تولہ] جلا کر نمک [۶ ماشہ]، نوسادر [۱۴ ماشہ]، عقرقرحا [۱۰ ماشہ]، کالی مرچ [۹ ماشہ] ملا کر ملنے سے دانت کی بیماریوں کو فائدہ ہوتا ہے۔

(۵) سنگ جراحت [۵ ماشہ]، بنسلوچن [۶ ماشہ]، کباب چینی [۶ ماشہ]، لکڑی کا کوئلہ [۲ ماشہ]، اجوائن کا ست [ایک ماشہ]، کافور [ایک رتی] ملا کر ملنے سے دانت صاف اور چمکیلے ہوتے اور اُس کی گندگی دُور ہو کر منہ میں خوشبو پیدا ہو جاتی ہے۔

قبض دور کرنے کے طریقے

(۱) دو تین دن تک مسلسل دودھ میں نصف پانی ملا کر پیا جائے اور حسب ضرورت دو ایک پھل کھائے جائیں۔

(۲) کھانے کے ساتھ کچی اور پکی سبزی کا استعمال کیا جائے۔

(۳) کھانا کم مقدار میں کھایا جائے۔ اور خوب چبا کر کھایا جائے اور کھانے کے بعد چلا پھرا جائے۔

(۴) بیل کا گودا پانی میں حل کر کے چھان لیا جائے اور تھوڑی شکر ڈال کر اس کا شربت ایک گلاس تین چار دن پیا جائے۔

کسان گاؤں کی دولت کیونکر پھونک ڈالتے ہیں؟

(خان بہادر ادریس احمد صاحب مرحوم)

جس طرح دیہات کے باشندوں کو خوراک اور اُن کے مویشیوں کو چارے کی ضرورت ہے اسی طرح زمین کو گوبر کی ضرورت ہے۔ مویشیوں کو بغیر چارہ کھلائے ان سے کام نہیں لیا جاسکتا۔ اسی طرح زمین کو اُس کی خوراک پہنچائے بغیر اس میں فصل پیدا نہیں کر سکتے ۔ زمین کی خوراک گوبر اور کوڑا کرکٹ ہے، مگر ہوتا یہ ہے۔ کہ گاؤں کی عورتیں اپنے مویشیوں کے سارے گوبر کے اُپلے تھاپ لیتی ہیں۔ اس کام میں ایک تو اُن کا بہت سا وقت ضائع ہو جاتا ہے اور گوبر جس کو گاؤں کی دولت سمجھنا چاہیے سب پھُنک کر راکھ ہو جاتا ہے۔ اگر گاؤں بھر کا گوبر کھیتوں میں پہونچ جاتا تو زمین سچ مچ چاندی اُگلتی ۔

دیہات کے باشندوں کا یہ عذر ہے کہ اُپلے کی دھیمی آنچ سے رات بھر میں دودھ خوب جوش کھاتا ہے اور دودھ کو جوش دینے کے لئے اُس کے پاس بیٹھنے کی ضرورت نہیں پڑتی ۔ بہت سے اُپلے حقّے کی چلموں میں روزمرّہ پھونکے جاتے ہیں ۔ آرام طلب حقہ پینے والوں کو یہ آرام ہے کہ بھوبھل میں

اُپلا دبا دینے سے انھیں ہر وقت آگ مل جاتی ہے۔ مگر گوبر کی قیمتی کھاد اس طرح ضائع کرنے کے مقابلہ میں یہ دونوں عذر بہت کمزور ہیں۔ گاؤں میں کافی لکڑی ملتی ہے اور اگر کمی ہے تو سوختہ لکڑی کے لئے درختوں کی کاشت بڑھانے سے رفتہ رفتہ لکڑی اور کوئلہ کثرت سے فراہم ہوسکتا ہے لکڑیوں کے علاوہ تل۔ ارہر۔ کپاس اور سرسوں وغیرہ کے پھرتے جلانے کے کام میں آتے ہیں۔ پتھر کا کوئلہ بھی سستا ملتا ہے اور اس کی آنچ بہت تیز ہوتی ہے۔ جتنا وقت روزمرہ اُپلے تھاپنے میں خرچ ہوتا ہے اُس سے کم وقت دودھ کو جوش دینے اور اُس کی نگرانی میں صرف ہوگا۔ اور دودھ کو جوش دیتے وقت اس کی نگرانی کرتے ہوئے عورت دوسرا کام بھی کرسکتی ہے مثلاً اسی عرصہ میں روٹی پکا سکتی ہے۔ گھر صاف کرسکتی ہے۔ شیرخوار بچّہ کو گود میں لیکر دودھ پلا سکتی ہے۔ کپڑا سی سکتی ہے۔ پھٹے پُرانے کپڑے دھو سکتی ہے۔ ان کی مرمّت کرسکتی ہے

اس کے علاوہ اُپلوں کے جس بھوڑے کی قیمت دس روپیہ ہوگی۔ بطور کھاد کے اس کی قیمت پچاس روپیہ ثابت ہوگی لہذا اُپلوں کا جلانا دولت کا پھونکنا ہوا، اُپلے تھاپنا غلیظ اور ذلیل کام ہے۔ اس کام سے دیہات کی عورتیں اپنے

شوہر اور اپنی اولاد دونوں کی نظروں میں حقیر ہوتی ہیں۔ اُپلے تھاپتے وقت اُن کے بچّے گوبر سے کھیلتے ہیں اور اس طرح عورتیں اور بچّے گندے بنتے ہیں۔ عورتوں کا وقت ضائع ہوتا ہے۔ جس کو وہ اور مفید کام میں صرف کرسکتی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ بات کہ زمین سب سے زیادہ قیمتی کھاد سے محروم رہتی ہے اور فصل ماری جاتی ہے کسی نے سچ کہا ہے کہ قدرت کا منشار تو یہ تھا کہ گوبر اور انسان کا فضلہ اور گاؤں کا کوڑا کرکٹ تینوں چیزیں عمدہ فصلیں پیدا کرنے کے کام میں لائی جائیں۔ مگر گاؤں والے پہلی چیز کو تو پھونک ڈالتے ہیں۔ دوسری اور تیسری چیز سے اپنے گاؤں کی ہوا کو زہریلی بنانے کا کام لیتے ہیں اور اپنی اور اپنے بچّوں کی صحّت برباد کرتے ہیں۔ جو چیز گاؤں میں زہر ہو اور کھیتوں میں پہونچ کر سونا چاندی بن جاتی ہو تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی چیز کو لوگ گاؤں میں کیوں رہنے دیتے ہیں۔

ہمارے جانور

(از جناب کاشی پرشاد ہیڈ کل آفیسر انچارج ہیلتھ یونیٹ پرتاب گڈھ)

دیہات میں کسانوں کے رہنے کے مکان تو گندے اور چھوٹے ہوتے ہی ہیں مگر مویشی خانوں کی حالت اور بھی خراب ہوتی ہے۔ فرش ناہموار ہوتا ہے جس پر جا بجا کھونٹے گڑے ہوتے ہیں۔ کچّے فرش پر برسات کے دنوں میں کیچڑ ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے مویشیوں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے جگہ اکثر تنگ ہوتی ہے جس سے مویشی سیدھے کھڑے بھی نہیں ہو سکتے۔ ہمیشہ نمی اور گندگی رہتی ہے۔ گوبر بھی اکثر دیواروں پر ہی تھوپا جاتا ہے باندھنے کی رسّی بھی کبھی کبھی اتنی چھوٹی ہوا کرتی ہے کہ جانور کو آرام نہیں ملتا انسان کی طرح مویشیوں کی تندرستی بھی ان کے رہنے کی جگہ صفائی اور کشادگی پر منحصر ہے۔ گندے اور اندھیرے مویشی خانوں میں رہنے والے جانور کبھی تندرست نہیں رہ سکتے ایسی جگہوں پر رہنے والے دودھ کے مویشیوں کا دودھ بھی صحت بخش نہ ہوگا۔ اور دودھ کی مقدار بھی بوجہ خرابی صحت دن بدن گھٹتی جاوے گی۔ اس لئے اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے بیل تندرست

رہیں اور آپ کا کام بخوبی دے سکیں اور گائے بھینسوں سے آپ اچھا دودھ پوری مقدار میں پا سکیں تو نیچے لکھی ہوئی باتوں پر دھیان دیں

<u>پشوشالہ کہاں پر بنانا چاہیئے</u> پشوشالہ کا گھر کے اندر ہونا اپنے اور مویشیوں دونوں کی صحت کے لئے بُرا ہے وہ گھر سے بالکل سٹا ہوا بھی نہ ہونا چاہیے۔ پشوشالہ یا بردوان مکان سے کم سے کم تیس فیٹ کے فاصلے پر بنانا ٹھیک ہوگا۔ جگہ اونچی کشادہ اور ہوادار ہو اور زمین خشک اور صاف ہو گاؤں والے اکثر گوروار یا سر یا مکان کے دروازے کے سامنے اُتر جانب بنانا پسند کرتے ہیں۔ کوئی کوئی اس کا بھی خیال کرتے ہیں کہ جانوروں کے سر پورب یا پچھم کی طرف رہیں۔

بیلوں کی وجہ سے مچھّر جمع ہوتے ہیں۔ ان کا گوبر اور پیشاب ہٹانے کا اگر مناسب انتظام نہ ہو تو جلد ہی بدبو ہونے لگتی ہے۔ اگر کوئی پانی پینے کا کنواں بہت نزدیک ہو تو اس کے پانی کے خراب ہونے کا بہت اندیشہ ہے۔ لہذا یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پشوشالہ یا سر یا کنواں سے بھی کم سے کم بیس فیٹ دور رہو۔ ساتھ ہی ساتھ یہ خیال بھی رکھنا چاہیئے کہ پانی کے نزدیک ہونے سے جانوروں کے نہلانے دھونے اور پانی پلانے میں

آسانی ہوتی ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ گاؤں کے باہر ایک ایسا مویشی خانہ بنایا جائے کہ جس میں گاؤں بھر کے مویشی باندھے جاویں ایسا کرنے سے کئی فائدے ہوں گے۔ مثلاً بستی صاف رہے گی۔ نگرانی میں آسانی ہوگی اور کھاد بھی ایک ہی جگہ قاعدے سے بنائی جائے گی

پشوشالہ کیسا ہونا چاہیئے | فرش۔ آس پاس کی زمین سے فرش کچھ اونچا ہو جو کہ چھ سے آٹھ فیٹ تک چوڑا ہو۔ پچھلے پیروں کی طرف کا آدھا حصہ جس پر گوبر اور پیشاب گرتا ہے پکّا ہو۔ پلستر کے بجائے اینٹ کا خرنجہ جس پر چونے یا سمنٹ کی ٹیپ کی گئی ہو اچھا ہوگا۔ ہر ایک جانور کے لئے تین سے پانچ فیٹ تک جگہ دینی چاہیئے۔ لکڑی کے کھونٹوں کے بجائے لوہے کے چھلّے زیادہ اچھے ہوں گے۔

نا ندیں یا چرہی | ان کی اونچائی ڈھائی سے تین فیٹ تک ہونی چاہیئے۔ ناندوں کے اندر سمنٹ کا پلستر کرنے سے چارہ برباد نہ ہوگا۔ اور چیز بھی ایک پائدار بن جاویگی ہودی کا پیندا بالکل چورس ہونے کے بجائے گول اور ڈھالو ہونا چاہیے تاکہ وہ آسانی سے دھوئی جا سکے۔ پانی کو نکالنے کے لئے ہودی کے پیندے میں ایک سوراخ ہونا چاہیئے۔ یہ سوراخ اوپر کی طرف چوڑا اور اندر کی طرف پتلا ہونا چاہیئے یہ سوراخ کسی لکڑی سے جو کہ اس ناپ کی بنی ہو۔ بخوبی بند ہو سکے گا۔ مویشیوں کو

پانی پلانے کے لئے چھوٹی چھوٹی ہودیاں بھی بنائی جاسکتی ہیں۔ ہر جانور کے لئے الگ الگ ہودی یا ناند کا رواج اچھا ہے۔

نالی | فرش کی دوسری طرف نو انچ یا ایک فیٹ چوڑی ایک پکی نالی بنانا چاہیئے فرش کا ڈھال نالی کی طرف رہے اور نالی میں بھی کافی ڈھال ہونا چاہیے تاکہ پیشاب یا خراب پانی بہ آسانی بہہ کر نکل سکے۔ نالی فرش سے دو انگل نیچی رہے نالی کے کنارے پر ایک پختہ حوض بنانا چاہیئے۔ جس کے اندر ایک مٹی کے تیل کا کنستر جس میں کہ لکڑی کا دستہ لگا ہو رکھنا چاہیے پرنالہ ایسا لگانا چاہیے کہ نالی کا پانی کنستر ہی میں گرے۔ پتھر یا سمنٹ کی ایک سل سے نابدان ڈھکا ہو تو بہتر ہوگا۔

دیواریں | چھاجن دیواریں یا کھمبوں پر رکھی جاسکتی ہے اگر کھمبے بنائے گئے ہیں تو دھوپ سردی اور برسات سے بچانے کے لئے ٹٹی لگانا پڑیگا۔ چھت سطح زمین سے کم از کم پندرہ فیٹ اونچی ہونی چاہیے۔ کہا جاتا ہے کہ دیواروں کا رنگ سفید رہنے سے جانوروں کی آنکھوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اس لئے اگر ہو سکے تو دیواریں پیلی۔ نیلی یا ہری پتی ہوں۔ خیال رکھنا چاہیے کہ سریا کے اندر کافی ہوا اور روشنی پہونچ سکے۔ کیونکہ یہ چیزیں مویشیوں کے لئے بھی اتنی ہی ضروری ہیں جتنی کہ انسان کے لئے۔ کسی کسی ضلع میں لوگ چرہی دیوار کے اندر بناتے ہیں۔

ایسی چر ہی سے مویشی سرما کے اندر یا باہر رہنے پر ایک ہی ناند سے کھا سکتے ہیں۔

صفائی | گائے بھینس کی جتنی ہی سیوا کی جائے گی وہ اتنے ہی آرام سے رہیں گی اور اچھا دودھ دیں گی۔ گرمی کے موسم میں بھینسوں کو روزانہ نہلانا ضروری ہے گائے بھینس کے تھن، دودھ دوہنے کا برتن اور دوہنے والے کا ہاتھ پیر کی صفائی کی بہت ضرورت ہے۔ کبھی کبھی فرش اور نالی کو پانی سے دھو دینا چاہیے۔

متفرق باتیں | دودھ دینے والے مویشیوں کے نیچے صفائی رکھنا بہت ضروری ہے۔ اُن کو چارہ کھلانے اور دوہنے کے وقت کی پابندی کرنی چاہیے۔ بڑی بڑی ڈیریوں میں گائیں مقررہ وقت پر تھان پر لائی جاتی ہیں۔

مویشی چارہ کھاتے کھاتے گوبر اور پیشاب کرتے ہیں۔ اگر جانور قاعدے سے کھڑا ہے تو گوبر فرش کے بجائے نالی ہی میں گرے گا۔ ڈیریوں میں ایسا بھی انتظام رہتا ہے کہ مویشی فرش کے اوپر بیٹھنے نہ پائے۔ اور اس کے لئے ڈیری والے مویشیوں کے گلے میں ایک خاص طرح کا جُوا ڈال دیتے ہیں۔ محکمۂ زراعت والوں کا کہنا ہے کہ گھاس پوس اور پتیاں اگر فرش کے اوپر بچھائی جاویں تو جانور کو تکلیف بھی نہ ہوگی اور کچھ دنوں بعد یہ کھاد بنانے کے کام میں لائی جا سکتی ہیں۔ اس کے لئے کچھ دور ہٹ کر کھاد کا گڈھا کھودنا چاہیئے۔

دیہات کے پرانے پشو شالے بھی بہت کچھ سدھارے جا سکتے ہیں۔ ہوا اور روشنی آنے جانے کے لئے دیواروں میں دھنکے کھودنا چاہیے۔ فرش پکّا کرنا چاہیئے۔ مویشی اگر گھر کے اندر باندھے جاتے ہیں تو نئے مویشی خانے باہر بنانا چاہیئے۔ کم سے کم جہاں آدمی رہتے ہوں۔ اس جگہ کو مویشی باندھنے کی جگہ سے ایک دیوار بیچ میں اٹھا کر الگ کرنا چاہیئے۔ کسان کو بیل کی جوڑی کے لئے ایک بڑی رقم خرچ کرنی پڑتی ہے۔ اور انھیں کے ذریعہ سے وہ اپنی روزی کماتا ہے۔ گائے اور بھینسوں سے اس کے بچّے گھی اور دودھ پاتے ہیں یہ چیزیں نعمت ہیں۔ وید لوگ تو ان کو امرت ہی کہتے ہیں۔ لہٰذا اوپر کی کہی ہوئی باتوں پر تکلیف اٹھا کر بھی عمل کرنا چاہیئے۔

لطیفہ

ایک دیہاتی نے ریل سے اُتر کر یکّہ والے سے پوچھا کہ شہر کا کیا کرایہ لوگے؟ اس نے کہا کہ ایک آنہ۔ دیہاتی نے پوچھا کہ گٹھری کا کیا کرایہ ہوگا؟ یکّہ والے نے کہا کچھ نہیں۔ دیہاتی نے کہا اچھا میری گٹھری لیتے چلو یکّہ کے اڈّہ پر اُتار دینا میں پیدل ہی آرہا ہوں۔

بیڑی اور سگرٹ

(از حکیم سید ابوالمسعود صاحب فیض آبادی)

آج کل ہندوستان میں بیڑی اور سگرٹ کا رواج بہت زیادہ زور پکڑ رہا ہے، جوان تو جوان غضب تو یہ ہے کہ بچے تک دوسروں کی دیکھا دیکھی اور مفت کی سستی چیز پا کر بیڑی سے شوق کرنے لگے ہیں اور سگرٹ تو درکنار اب بیڑی عام لوگوں کے فیشن میں داخل ہو گئی ہے۔ اگر کسی کی جیب میں ایک ڈبیہ دیا سلائی اور ایک پیکٹ بیڑی نہ ہو تو وہ اپنے کو دوسرے لوگوں اور ساتھیوں میں اور دوسرے غالبًا اسے اپنی نظروں میں سبک سمجھتے ہیں۔ آج سے پہلے حقہ کا رواج زیادہ تھا وہ بھی کچھ اچھا نہ تھا، مگر اس میں فرشی کا کے اندر کا پانی، لمبے نیچے اور چلدان نیز سٹک کی وجہ سے تمبا کو کا زہر حلق تک پہونچتے ہوئے بہت کچھ ہلکا ہو جایا کرتا تھا، وہ بھی خالص تمباکو کا ورنہ خود تمباکو میں بہت سی چیزیں شیرہ۔ صندل۔ مادلی اور خمیرہ وغیرہ ملا کر اس کی ایسی اصلاح کر لیا کرتے تھے کہ وہ زیادہ نقصان پہونچانے کے قابل ہی نہیں رہتا تھا۔ پھر بھی ایک زہریلی چیز ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ اسے استعمال نہیں

کرتے تھے آج بیڑی سگرٹ اور سگار کی یہ کیفیت ہے کہ وہ قریب قریب ضروریات زندگی میں داخل ہوچکا ہے۔ تمبا کو پینے والے کو چاہے کھانے کو کچھ نہ ملے لیکن بیڑی کے چار پیسے پیدا کرنے کی وہ پہلے کوشش ضرور کرتا ہے اور شاید وہ زمانہ قریب ہے کہ لوگ پیٹ کے لئے بھیک مانگنے کے بجائے بیڑی اور سگرٹ کے لئے گداگری کا پیشہ اختیار کرنے لگیں گے۔

تمبا کو بھی دوسرے زہروں کی طرح ایک بڑا زہر ہے، اور بلا عادت اس کے کھانے سے بھی ویسی ہی زہریلی علامتیں شروع ہوجاتی ہیں جیسی دوسری زہریلی چیزوں کے استعمال سے، تمبا کو اتنا سخت زہر ہے کہ سانپ کے زہر کو مارنے کے لئے کبھی اس کو پلاتے ہیں، اس کے اندر جو اس کا سب سے بڑا اور مؤثر جوہر ہوتا ہے اس کا نام نکوٹین ہے جو اگر ایک رتی یا آدھی رتی کی مقدار میں کسی انسان یا حیوان کو کھلا دی جائے تو فوراً موت واقع ہوجاتی ہے۔ یوں تو عادت ڈالنے سے انسان افیون اور سنکھیا بھی کھاتا رہتا ہے، مگر جس طرح ان دونوں چیزوں کی عادت انسان کے لئے وبال جان اور سوہان روح بن جاتی ہے بالکل اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر، تمبا کو اور حقّہ بیڑی و سگرٹ کی عادت سے انسان کسی کام کا باقی نہیں رہ جاتا، تمبا کو کا سب سے زیادہ زہریلا جوہر نکوٹین انسان کی رگ وپے میں سرایت کرکے اسے ڈھیلا سست اور بالکل کمزور

بنا دیتا ہے، بیڑی سگرٹ اور حقہ سے جو دھواں نکلتا ہے اس میں ایک خفیف شعلہ بھی ہوتا ہے جسے اگر کپڑے پر لیں تو وہ سیاہ اور گرم ہو جاتا ہے اور یہ شعلہ جب بار بار حلق میں جاتا ہے تو اسے اس قابل نہیں رکھتا کہ وہ کسی بڑی بیماری کی سوزش کو برداشت کر سکے معمولی خراش کی وجہ سے حلق سے خون آجاتا ہے معمولی کھانسی سے سل اور دق کا اندیشہ لاحق ہو جاتا ہے، ورنہ پھیپھڑے تو ایسے لوگوں کے سو فیصدی ضرور ہی کمزور ہو جاتے ہیں منھ، حلق اور ناک کی بلغمی جھلیوں کی مستقل خراش سے ان میں ایسی قوت باقی ہی نہیں رہتی کہ یہ وبائی امراض خصوصاً انفلوئنزا اور زکام کے جراثیم کا مقابلہ کر کے انھیں فنا کر سکیں۔

پس ایک اس شخص کے مقابلہ میں جو تمبا کو اور بیڑی پینے کا عادی نہیں ہے، بیڑی اور سگرٹ پینے والا ہمیشہ زکام و انفلوئنزا کا شکار ہو جانے کے لئے تیار و مستعد رہتا ہے اور پھیپھڑا ناک اور منھ کی بلغمی جھلّی اور یہ راستے جو پاک و صاف ہوا کے حاصل کرنے کے سب سے اہم اور پہلے ذرائع ہیں، جب بیمار رہیں گے اور پھیپھڑے میں صاف ہَوا نہ پہونچ سکے گی تو ظاہر ہے کہ تمام بدن کا خون جو صرف پھیپھڑے میں صاف ہونے کے بعد دل کے بائیں بطن کے ذریعہ سارے بدن میں گردش کر کے بدن میں روح اور طاقت بخشتا ہے وہ خون بدن میں پھیپھڑے کی خرابی کی وجہ سے صاف ستھرا نہ پہونچ سکے گا۔ آکسیجن کے اندر جو فولاد اور لوہا ہوتا ہے وہ خون میں پورے طور پر جذب نہ

ہو سکے گا، اس لئے انسان زرد پیلا اور کمزور اور ناتواں بنا رہے گا، اور محنت کے ساتھ
کوئی کام نہ کر سکنے کی وجہ سے غریب و تنگ دست ورنہ اگر کچھ کماتا بھی رہا تو وہ
ڈاکٹر، حکیم، ویداور دواؤں کی نذر ہوتا رہے گا، لیکن اگر آج ہندوستان کے لوگ
صرف حقہ اور بیڑی پینا چھوڑ دیں تو ایک طرف بہت سی بیماریاں کم ہو جائیں اور
دوسری طرف بہت بڑی دولت جو بلا وجہ دواؤں کی نذر ہو جاتی ہے بچ رہے۔
اور اس طرح ہندوستان کی مفلسی کا کچھ تھوڑا سا علاج ہو جائے۔ آج صرف بیڑی و
سگرٹ میں ایک معمولی شہر و قصبہ کا اوسطاً کم سے کم دو ہزار روپئے ماہوار صرف
ہوتا ہے اور اتنی بڑی رقم انسان اپنے کو اور اپنی آئندہ نسلوں کو برباد و بیمار اور کمزور
کرنے کے لئے ہر ماہ صرف کرتے ہوئے ترس نہیں کھاتا ہے۔ بیڑی اور تمباکو کا
سب سے پہلا اثر پٹھوں (نظام اعصاب یا نروس سسٹم) پر ہوتا ہے۔ چونکہ بدن کا
سارا نظام پٹھوں کی حکمرانی اور لیڈری کے ماتحت قائم ہے اور پٹھوں کی ادنیٰ کمزوری
سے سارے جسم کا فعل مختل (درہم برہم) ہو جاتا ہے اس لئے تمباکو اور بیڑی پینے
والوں کا سب سے پہلے دماغ اور دل کمزور ہونے لگتا ہے پھر دماغ و پٹھوں کی
کمزوری سے معدہ، جگر، گردہ وغیرہ سب ایک ایک کر کے خراب ہو جاتے ہیں،
پھیپھڑے کی نالیوں میں سوزش کی وجہ سے عمدہ اور صاف ہوا ان میں نہیں پہنچتی

جس سے سُرخ اور صاف خون کی پوری مقدار بدن کو نہیں ملتی ہے دوسری طرف پٹھوں کی کمزوری سے معدہ و جگر بھی کھانا ہضم کرنے اور خون بنانے کا کام سست کر دیتے ہیں آنتوں کے پٹھوں کا فعل جب کمزور ہو جاتا ہے تو قبض رہنے لگتا ہے آدمی دوا کھا کر اور آنتوں کے پٹھوں کو دوا سے مضبوط کر کے یا اُن پر جبر و ظلم کر کے پاخانہ و دست لاتا ہے، تمبا کو پینے والوں کی اولاد کمزور ہوتی ہے اور مضبوط دماغ والی نہیں ہوتی، نہ زیادہ بہادر ہوتی ہے۔ تمباکو پینے والوں پر دوا کا اثر بھی کم ہوتا ہے اس لئے وہ بار بار طرح طرح کی دوائیں استعمال کرنے پر مجبور رہ کر اپنی دولت لٹایا کرتے ہیں، تمباکو اور بیڑی پینے والے اکثر دل کی دھڑکن، مراق اور کبھی نامردی کے بھی شکار ہو جایا کرتے ہیں۔ پست ہمت ہو جاتے ہیں اور ذرا سی محنت سے تھک جاتے ہیں یا ذرا سی وحشت ناک خبر سے سہم جاتے اور اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے کام ان لوگوں نے کئے ہیں جو تمباکو نہیں پیتے تھے وہ ان لوگوں سے نہ ہو سکے جو تمباکو کے عادی تھے خصوصاً غریب جنھیں دودھ، گھی، مکھن، انڈا تو درکنار پیٹ بھر خشک روٹی بھی نہیں ملتی وہ تمباکو کو پی کر اپنے جسم و جان اور روح و دل کو نقصان اور اپنی نسلوں کو برباد کرنے کے باعث ناقابل معافی جرم و گناہ کے مرتکب ہو رہے ہے۔ تمباکو کے نقصانات پر آج دنیا کے

ہر گوشے سے آوازیں بلند ہو رہی ہیں، پس ہماری عقلمندی اور سعادت مندی اسی میں ہے کہ سب سے پہلے ہم خود اسے چھوڑ دیں اور پھر دوسرے تمام لوگوں سے خوشامد کر کے کہیں کہ وہ اپنی جان اور اپنے ملک پر رحم کر کے اس زہر سے اپنے پٹھوں کو برباد کرنے اور خود برباد ہونے سے باز رہیں۔ ورنہ یہ بیڑی اور یہ سگرٹ ایک دن ہندوستان کو لے ڈوبیں گے، آج یہی چار پیسے اور چار آنہ سے لے کر آٹھ آنہ روز تک اگر اپنے جسم، اپنی غذا، اپنی راحت اور اپنے علم کے بڑھانے پر لگائے جاتے تو خود اپنے اور ملک کے لئے کس قدر مفید ہوتے لیکن غضب تو یہ ہے کہ آج کا مزدور کل کی طرح بجائے اس کے کہ دو پیسہ کا گڑ لے کر سہ پہر کے وقت اُسے دو گھونٹ پانی سے نگل کر اپنے جسم کو طاقت اور غذا بخشے وہ دو پیسہ کی بیڑی لے کر اُس سے اپنے حلق اور اپنے سینے کو جلاتا اور اپنے بدن کو راکھ بناتا ہے، کل کا مزدور گڑ کھا کر لوہے کا بدن رکھتا تھا۔ آج کا مزدور بیڑی پی کر خشک گھاس کی طرح زرد اور روکھا سوکھا بنا پھرتا ہے، بتاؤ اس بیڑی سے کیا ملا؟ جب تن بدن ہی میں آگ لگ گئی اور وہ انسان کسی کام کا نہ رہ گیا، تمباکو و بیڑی کی عادت کو چھڑانا مشکل ضرور ہوتا ہے تاہم اس کے چند طریقے لکھے جاتے ہیں جو تجربہ سے مفید ثابت ہوئے ہیں۔ اوّل سب سے اچھا طریقہ

یہ ہے کہ ہمت کر کے ایک بار اسے جب چھوڑ دے تو پھر اس کی صورت دیکھنا بھی گناہ سمجھے، دوسرے حقہ پینے والے چلم پر چند دن تباکو کے بجائے ایک دو اذرا ونہ ہوتی ہے وہ پیتے رہیں تیسرے جب بیڑی یا حقے کی خواہش ہو تو گڑ یا منقی کھالیں، گڑ کھا لینے سے اکثر خواہش رک جاتی ہے۔ گڑ فائدہ مند بھی ہے اور اس نشہ کو دور کرنے والا بھی۔ چوتھے ایک بڑی چیز قبض کی عادت ہے۔ سو قبض کو دور کرنے کے لئے روزرات کو سوتے وقت گرم دودھ اور شکر یا سات بادام کا چھلکا دور کر کے اور ۱۵ منقے کھا کر سو رہا کریں۔ ان ہدایتوں پر عمل کرنے سے آہستہ آہستہ یہ عادت ضرور چھوٹ جائے گی۔

بجلی چمکنے کی حالت میں مجمع کیساتھ مت کھڑے ہو

(از قاری علیم صاحب الہ آبادی)

بجلی چمکنے کی حالت میں غول اور مجمع میں کھڑے ہونے سے سخت نقصان ہوتا ہے، اس کی دو وجہیں ہیں، اول تو ایک شخص کی بہ نسبت ایک جماعت بجلی کو اپنی طرف کھینچنے کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہے، دوسرے بخارات جو ایک مجمع میں سے نکل کر اوپر کو جاتے ہیں وہ ہوا کی قوت کشش اور جذب یعنی بجلی کھینچنے والی قوت کو زیادہ کر دیتے ہیں، غول اور مجمع اس لئے بجلی کی کشش زیادہ رکھتا ہے کہ اس کے ہر فرد میں ہی بجلی کو اپنی طرف کھینچنے کی کافی صلاحیت موجود ہے اس لئے مجمع میں ہر شخص کی طاقت کشش مل کر بجلی کو اپنی طرف کھینچنے کی صلاحیت زیادہ بڑھ گئی بالکل یہی حال گلوں اور مویشیوں کا سمجھنا چاہیے کہ جس قدر ان کی جماعت اور تعداد ایک مقام پر زیادہ ہوگی اسی قدر ان کے اوپر بجلی کے گرنے کا زیادہ امکان ہوگا۔

کسان اور لگان

(از محمد صدیق)

یہ سچ ہے کہ ہمارے صوبہ کا کسان لگان کے بوجھ سے اور زمیندار مال گزاری کے بوجھ سے تباہ ہو چکا ہے۔ گورنمنٹ نے پچھلے سال نیا قانون لگان پاس کر کے اس بوجھ کو ہلکا کیا ہے۔ اور کسانوں کو بمقابلہ زمیندار کے بہت آسانیاں دی ہیں۔ لیکن ہمارے دیس کے کسان زیادہ تر بے پڑھے ہیں وہ ان رعایتوں سے نفع اٹھانے کی کوشش نہیں کرتے اور وہ راستہ اختیار نہیں کرتے کہ زمیندار سے ان کو اور رعایتیں حکومت دلا سکے۔ صوبہ میں اکثر جگہ کسان زمینداروں کو خوشی سے لگان نہیں دے رہے ہیں۔ قانون نے ان کے ساتھ جو رعایتیں کی ہیں اس کا اثر الٹا لے رہے ہیں بعض تو چاہتے ہیں کہ لگان دینا ہی نہ پڑے سوچنے کی بات ہے کہ اگر کسان زمیندار کو خوشی خوشی لگان بیباق نہ کریگا تو زمیندار مالگزاری کہاں سے ادا کریگا اور اگر مالگزاری وقت پر نہ پہونچے تو حکومت ملک کا انتظام کیسے کرے گی۔ حکومت کی آمدنی کا بڑا ذریعہ مالگزاری ہی ہے۔ اسی سے پولیس اور فوج کا انتظام ہوتا ہے اسی سے چوکیدار اور پٹواری تنخواہ پاتے۔ اسی سے تحصیلدار اور ڈپٹی کلکٹر کو تنخواہ ملتی ہے۔ جو کسان زمیندار کو لگان خوشی سے ادا نہیں کرتے وہ خود بھی گڈھے میں گریں گے اور اور کسانوں کو

[illegible] ہیں گے۔ اگر کام ہو رہا [illegible]

[illegible] کیا اور حکومت کو معلوم ہوا کہ یہ قانون لگان [illegible]

[illegible] ناکام ہو رہا ہے تو ممکن ہے کہ قانون لگان میں حکومت [illegible]

[illegible] کہ کسان پھر وہیں جا پڑے جہاں سے اٹھا ہے کسان کو چاہیے [illegible]

[illegible] لگان فوڑا ادا کریں اگر ممکن نہ ہو تو زمیندار سے اپنا معقول عذر بیان کر

[illegible] لیں اور اگر کسی خاص اور خلاف معمول واقعے چوری، آتش زدگی [illegible]

[illegible] کے ناقابل ہوں اور زمیندار کسی طرح نہ مانے تو حاکم تحصیل کے یہاں [illegible]

[illegible] کریں۔ وہاں سے مہلت دلائی جائے گی اور سب سے اچھا طریقہ یہ [illegible]

[illegible] زمیندار سے تعلقات اچھے رکھے ایسا کرنے سے زمیندار [illegible]

[illegible] تقاوی دے گا۔ جھگڑے قضیوں کو طے کرائے گا معقول [illegible]

[illegible] بھی کرے گا اور مہلت بھی دے گا۔ کسان یہ بات ذہن [illegible]

[illegible] دو پہیوں سے چلتا ہے زمیندار اور کاشتکار [illegible]

[illegible] ان کی کامیابی ہے اور اختلاف سے دونوں کی تباہی [illegible]


ایک دیہاتی کنوئیں کی جگت پر دھوتی چھانٹ رہا ہے
اور چھینٹیں کنوئیں کے اندر جا رہی ہیں۔

شوکت تھانوی اور عظیم بیگ چغتائی

دونوں مشہور ظرافت نگار ہیں آپ نے جواب ہیں دونوں کے نتائج قلم

سیلاب تبسم

زیر نظر آپ کتاب میں ہو شوکت تھانوی کے مضامین کا تیسرا مجموعہ ہے اور جس نے گزشتہ دونوں مجموعوں کو اپنے سامنے گرد کر دیا ہے اس مجموعہ میں مصنف کے بیش قیمت و دلچسپ مضامین کے علاوہ مرزا عظیم بیگ چغتائی کا مبسوط مقدمہ بھی شامل ہے اس کے علاوہ سیلاب تبسم کا سرورق ہندوستان کے مشہور مصور نے کچھ ایسا بنایا ہے کہ یہ کتاب حسن تبسم کا البم نظر آتی ہے۔ خود ہنسنے اور اپنے احباب کو ہنسانے کے لئے اس کتاب کو ضرور اپنے پاس رکھئے۔ بڑے سائز کے تین سو صفحات پر بہترین کتابت قیمتی کاغذ اور دل آویز تصاویر کے ساتھ اس مجلد کتاب کی قیمت صرف دو روپیہ (عہ) ہے۔

ناشر:- صدیق بکڈپو امین آباد پارک لکھنؤ



یو-پی گورنمنٹ کا منظور کردہ

کم پڑھے لوگوں کے لئے رسالہ

قیمت سالانہ عام — قیمت فی پرچہ ۲ار

ترقی لکھنؤ

اڈیٹر :- شفیق شاہ پوری

جلد ۱	بابت ماہ ستمبر سنہ ۴۰ ۱۹ء	نمبر ۶

فہرست مضامین

اُٹھ ہوش میں آ بیدار ہو جا

از جناب پنڈت ہری شنکر صاحب ماسٹر گورنمنٹ اڈلٹ اسکول جیتانہ

اے محنت کش اُٹھ ہوش میں آ — اور ہاتھ میں اپنے بستہ اُٹھا
چل پڑھنے کو تیار ہو جا — اُٹھ ہوش میں آ بیدار ہو جا
بنا پڑھے دکھ بہت سہے ہیں — ایک ایک کے کئی کئی دئے ہیں
کیوں لوگوں کو رشوت دیتا — اُٹھ ہوش میں آ بیدار ہو جا
زمیندار نے کیوں بے دخل کیا — بنئیے نے تجھ کو لوٹ لیا
تو تھا گنوار اور بنا پڑھا — اُٹھ ہوش میں آ بیدار ہو جا
پٹواری نے ہے کاشت بھری — یہ زمین ہاتھ سے جاتی رہی
تو دیکھ کے اپنی کاشت بھرا — اُٹھ ہوش میں آ بیدار ہو جا
اسکول تیرے لئے کھول دیا — کل پڑھنے کا سامان دیا
ہے کون کسر اب تو ہی بتا — اُٹھ ہوش میں آ بیدار ہو جا
فرصت کا اعتراض ہی کیا — دن میں آ چاہے رات کو آ
مکتب میں لے اب نام لکھا — اُٹھ ہوش میں آ بیدار ہو جا
سب پڑھے لکھوں سے استدعا — ایک کو کر دیں پڑھا لکھا
دانش لے اور دیش سیوا — اُٹھ ہوش میں آ بیدار ہو جا
سرکار نے کام یہ خوب کیا — کہ جہل کا پردہ اٹھا دیا
کر شکر تو سرکار ایسی کا — اُٹھ ہوش میں آ بیدار ہو جا



'मेस्टन हल' का प्रयोग संयुक्त-प्रान्त के किसान बहुतायत से करने लगे हैं।

میسٹن هل کا استعمال صوبه ممالک متحده کے کسان کثرت سے کرنے لگے



ब्रिटेन अपने बाल-कृषकों के कृषि-कर्म की शिक्षा का पूरा ध्यान रखता है।
उपर्युक्त चित्र में कृषक विद्यार्थी स्कूल में मक्खन बनाना सीख रहे हैं।

اپنے کاشتکار بچوں کے کھیتی کے کاموں کی تعلیم کا پورا خیال رکھتا ہے
پر میں کاشتکاری کے طالبعلم اسکول میں مکھن بنانا سیکھ رہے ہیں -

عرض حال

اس نمبر میں آٹھ تصویریں شامل ہیں جو معلومات میں اضافہ بھی کریں گی اور ہماری تمہاری آنکھیں بھی کھول دینگی اور آئندہ کے لئے ہندوستان کی ترقی کی طرف توجہ بھی دلائیں گی۔ سلسلہ وار ان تصویروں کی بابت لکھا جاتا ہے۔

(۱) مسٹن ہل۔ محکمۂ زراعت نے جوتائی کی مختلف ضرورتوں کا لحاظ کر کے کئی قسم کے ہل ایجاد کرائے ہیں منجملہ اُن کے یہ ہل خاص خوبیاں رکھتا ہے اور عام جوتائی کے لئے بہت مفید ہے۔ اس کا کونڑ بہت گہرا ہوتا ہے اور چوڑا۔ اس کی جوتائی سے زمین کی کُھدائی خوب ہوتی ہے۔ معمولی گھٹیا ہلوں کی طرح خالی لکیر بن کر نہیں رہ جاتیں۔ اور ہلوں کی دس بار کی جوتائی سے جیسی زمین تیار ہوتی ہے مسٹن ہل کے تین بار جوتنے سے ویسی بلکہ اس سے اچھی زمین تیار ہوجاتی ہے۔ اس طرح پر بار بار جوتنے کی محنت بچ جاتی ہے اور پیداوار بھی زیادہ ہوجاتی ہے محکمۂ زراعت اور گاؤں سدھار والوں کے پرچار سے اب ہمارے صوبہ کے

کسان مسٹن ہل کا استعمال زیادہ کرنے لگے ہیں۔ اگر آپ نے یہ ہل نہیں دیکھا ہے تو جب کبھی آپ کے قریب زراعتی نمائش ہو وہاں جاکر دیکھ لیں۔ گورنمنٹ کے ڈیری فارموں اور سرکاری محکمۂ زراعت پرتاب گڈھ، گورکھپور اور کانپور میں بھی جاکر آپ ان کا کام دیکھ سکتے ہیں اور ان مقامات سے خرید بھی سکتے ہیں۔ کام کے دیکھتے ہوئے قیمت بھی زیادہ نہیں ہے۔ لیکن ہمارے صوبہ کے کسان کے لئے جو مشکل ہے وہ یہ ہے کہ عام طور پر کسان اس قدر غریب ہیں کہ وہ مشکل سے خریداری کر سکتے ہیں اور اگر خریداری کر بھی لیں تو اس کے کھینچنے کے لئے مضبوط اور قیمتی بیلوں کی ضرورت ہے۔ بیلوں کی خریداری اور بھی مشکل ہے۔ جب تک حکومت عملی طور پر کسان کو اس کام کے لئے مدد نہ دے اور بڑے زمینداروں اور راجے مہاراجوں کو ایسی امداد کے لئے نہ اکسائے ہمارے صوبہ کا کسان اچھا کسان بننے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

۲۔ اس تصویر میں انگلستان کا ایک کاشتکار بچہ مکھن بنانا سیکھ رہا ہے۔ انگلستان اپنی ضروریات کے لحاظ سے اپنے ملک کے باشندوں کو تعلیم دیتا ہے اور کھیتی کے کاموں کے ساتھ ساتھ کھیتی باری کے متعلقہ پیشوں کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ انگلستان کا کسان اپنے فارم پر کھیتی کے علاوہ ڈیری فارم کا کام بھی کرتا ہے۔ مرغیاں پال کر مرغی انڈے کی تجارت بھی کرتا ہے۔ ہمارے دیس کا کسان اب تک بے خبری کی حالت



लन्दन तथा अन्य बड़े ब्रिटिश शहरों के बच्चे रक्षा के लिए गाँवों में चले गये हैं।
لندن اور دوسرے بڑے برطانوی شہروں کے بچے حفاظت کیلئے گاؤں میں چلے گئے ہیں

ब्रिटिश नागरिकों के बच्चों के रहने के लिए बहुत-से घर खाली कर दिये गये हैं। इस चित्र में बच्चे घर के सामने मैदान में खुशी से नाच रहे हैं।

برطانوی شہرو کے بچوں کے رہنے کے لیئے بہت گھر خالی کر د گئے ہیں۔ ا تصویر میں ب گھر کے سا میدان میں خو سے ناچ رہے ہیں



युद्ध में मोर्चे पर भेजने के पहले खून की जाँच करके एक लड़की बोतलों पर लेबिल लगा रही है।

हवाई आक्रमण-द्वारा घायलों के शरीर में रक्त पहुँचाने के लिए ब्रिटेन के बहुत-से लोग स्वेच्छा से अपना रक्त देते हैं। वह रक्त बोतलों में भर-कर युद्धक्षेत्र को भेजा जाता है।

ہوائی حملوں کے ذریعہ زخمی ہونے والوں کے جسم میں خون پہونچانے کیلئے برطانیہ کے بہت سے لوگ اپنی خوشی سے اپنا خون دیتے ہیں۔ وہ خون بوتلوں میں بھر کر میدان جنگ کو بھیجا جاتا ہے۔

میں ہے۔ عمروں سے اس کے باپ دادا جس طرح اناج بوتے رہے ہیں۔
یہ بھی صرف اناج بوتا ہے۔ ہمارے کسان کو اگر خوش حالی درکار ہے تو اُسے چاہیئے کہ وہ بھی کھیتی کے ساتھ اپنے فارم پر اور کوئی نفع بخش پیشہ جو وہ کر سکے اس سے نفع اُٹھائے۔

۴۔ اس تصویر میں دکھایا گیا ہے کہ ہوائی حملوں سے زخمی ہونے والوں کے جسم میں خون داخل کرنے کے لئے انگلستان کے عام لوگوں نے اپنی خوشی سے اپنے جسم کا خون نکال لینے کی اجازت دی ہے تاکہ وہ کمزور زخمیوں کے جسم میں پچکاری کے ذریعہ پہونچایا جا سکے۔ میدان جنگ میں بعض ایسے کمزور زخمی موجود ہوتے ہیں کہ جن کا خون ان کے جسم کی پرورش نہیں کر سکتا ایسی حالت میں ان کی جان بچانے کا یہی ذریعہ ہے کہ ان کے جسم میں تندرست آدمی کا خون داخل کر کے دوران خون کو ٹھیک طور پر جاری رکھا جائے دو چار دن میں مریض جب تندرست ہونے لگتا ہے تو اس کے اعضا خون بنانے لگتے ہیں اور اس باہری امداد کی ضرورت نہیں رہتی۔

انگلستان نے ہمیشہ حب الوطنی کی ایسی مثالیں پیش کی ہیں اور ہر زندہ قوم اسی ولولہ اور اسی جوش سے اپنی آزادی قائم رکھ سکتی ہے۔ لیکن جب ہم ہندوستان کا دوسرے ملکوں سے مقابلہ کرتے ہیں تو حیرت ہو جاتی ہے۔ عمروں کے تجربات کے بعد بھی ہم میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا نہ ہوا۔ ہم اپنی اپنی مخصوص قومیت اور مذہبی فرقہ بندی کے تعصب میں مبتلا ہیں۔ ہم سے ملک کے لیے ایثار اور قربانی مشکل ہے اور بلا ایثار اور قربانی کے فلاح و بہبود ناممکن۔

۴۔ یورپ میں جنگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ باوجود سخت ترین ہوائی حملوں اور قیامت خیز بربادیوں کے اہل انگلستان نے اپنے حواس قائم رکھے ہیں اور ملک کی حفاظت کی پوری تدبیریں کر رہے ہیں اور سب سے زیادہ توجہ اس بات پر دی جا رہی ہے کہ ملک کے چھوٹے بچے بم باری کا شکار نہ ہو جائیں کیونکہ انھیں بچوں پر آئندہ نسل کا انحصار ہے۔ انگلستان کے بچے حفاظت کی غرض سے برطانوی مقبوضات کو بھیجے جا رہے ہیں جہاں ان کی نگہداشت خوب کی جا رہی ہے اور وہ غیر ملکوں میں بھی جا کر اتنے ہی خوش و خرم ہیں۔ انگلستان کے شہروں سے بچے انگلستان کے دیہاتوں میں بھی بکثرت بھیج دئے گئے ہیں۔ جہاں ان کی پرورش کا انتظام بہت معقول ہے۔ اس تصویر میں دکھایا گیا ہے کہ بچے گاؤں میں ایک گھر کے سامنے میدان میں خوشی خوشی چہلیں کر رہے ہیں۔

۵۔ اس تصویر میں زمین دوز ریلوے کا ایک پلیٹ فارم دکھایا گیا ہے جہاں ٹرین کے آتے ہی سڑک پر جانے والے دروازے خود بخود کھل جاتے ہیں۔ اس میں برطانوی انجینیروں کے فن کا کمال دکھایا گیا ہے۔ زمین دوز ریلوے کی اس بڑے پیمانہ پر تعمیر اور حیرت انگیز ترکیبیں عقل انسانی کو دنگ کر دیتی ہے اور انگریزوں کی دماغی قابلیت کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔

۶۔ ایک تصویر میں دکھایا گیا ہے کہ لندن کی زمین دوز ٹرینوں میں پہلا دوسرا تیسرا درجہ نہیں ہوتا۔ مقصد یہ ہے کہ سب کے لئے ایک ہی درجہ ہوتا ہے۔ تصویر کو

غور سے دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ لوگ بڑے آرام سے دونوں طرف بیٹھے ہیں اور درمیان میں آر پار آنے جانے کا راستہ ہے۔ ان ٹرینوں میں بیٹھنے کا اس قدر آرام ہے کہ سفر سفر نہیں معلوم ہوتا۔ انگلستان کی قوم تربیت یافتہ ذہنیت کی بنا، پر ایک خاص درجہ پر ہے۔ ان کے لئے امتیازی درجوں کی ضرورت نہیں

۷۔ لندن کی زمین دوز ریلوں سے مسافروں کو اوپر لانے اور نیچے لیجانے کے لئے لفٹوں (ایک طرح کی کَل جو اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر سامان اور آدمی پہونچاتی ہے) کا استعمال ہوتا تھا لیکن اب اور ترقی کی گئی اور اس کام کے لئے ایک خاص طرح کی گھومنے والی سیڑھیاں کام میں لائی جارہی ہیں۔

۸۔ انگلستان میں زمین دوز ریلوے کا جال بچھا ہے۔ ایک تصویر میں زمین کے اندر چلتی ہوئی ایک ٹرین اور ریلوے کی کچھ پٹریاں دکھائی ہیں۔

لندن اس معاملہ میں دنیا میں سربلند ہے کہ اس نے اپنے کو اس قدر سنوارا اور اپنی خدا داد عقل کی بدولت زمین کی وسعت بڑھالی۔ اگر ریلوے زمین کے اوپر چلتی تو لندن کی یہ رونق قائم نہ رہتی۔ جگہ جگہ ریلوے لائن آمدورفت میں حائل ہوتی اور اس قدر ریلوں کی وجہ سے جو شور و شغب اور ہنگامہ ہوتا اس کا اندازہ مشکل ہے۔ اس زمین دوز ریلوے کی ترکیب عجیب ہے۔ لندن کی آدھی آبادی ہر وقت زمین کے نیچے چلتی پھرتی رہتی ہے۔ صرف

لندن میں اس زمین دوز ریلوے کے ۱۸۱ اسٹیشن ہیں اور ان پر ہو کر لاکھوں آدمی گزرتے ہیں لیکن انجینیروں نے اس قابلیت سے یہ سب چیزیں بنائی ہیں کہ آج تک کوئی ایک شخص بھی ریلوے حادثہ کا شکار نہیں ہوا۔ انگلستان کے انجینیروں کے کارناموں نے انگریزوں کی عظمت کے جھنڈے گاڑے ہیں۔ لندن میں انجینیروں کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے سر سید احمد مرحوم نے ایک بات خوب کہی تھی کہ انگلستان کی سلطنت جس قدر اپنے سپاہیوں کے بازوؤں کی ممنون ہے۔ اس سے زیادہ اپنے انجینیروں کی قابلیت کی سپاہیوں نے تو ایک بار ملک فتح ہی کیا لیکن انجینیروں نے اپنے انجینیری کارنامے وہاں دکھا کر انگریزوں کی ہیبت اور عظمت کا سکہ بٹھایا ہے۔

سیلاب اور پانی سے حفاظت

(سلسلے کے لئے دیکھو سائنس ماہ اگست)

اگر گھر میں تخت اور چوکیاں موجود نہ ہوں تو مجبوراً یہ کام چارپائیوں سے بھی لیا جا سکتا ہے بشرطیکہ کئی مضبوط چارپائیاں میسر آ جائیں اور کبھی کبھی بانس اور بلیوں پر کیواڑ کے تختے مضبوط باندھ کر کام نکالا جا سکتا ہے اگر وقت کافی ہو تو گھر کی بلّیاں، دھنیاں، تختے اور لکڑی کا سامان دو بڑی دھنّیوں پر بچھا کر مضبوطی سے باندھا جا سکتا ہے۔ پھر یہ بیڑا تیار ہو جائے گا اس کو کھلے میدان میں کھڑا کر اس پر پناہ لے لی جائے۔ جوں جوں پانی اونچا ہوگا یہ بیڑا بھی اونچا ہوتا جائیگا اگر اس بات کا خیال ہو کہ کھلے میدان میں رہنے سے بیڑا کسی بڑے دریا کے بہاؤ میں چلا جائے گا تو قریب کے کسی مضبوط درخت کے پاس بیڑا لیجا کر اُسے درخت سے باندھ دینا چاہیئے لیکن رسی اتنی لمبی ہونی چاہیئے کہ اگر درخت بھی اُکھڑ کر گر جائے تو بیڑا محفوظ رہے۔

دسویں یہ کہ اگر بانس بلّی اور تخت وغیرہ میسّر نہ آئیں اور صرف معمولی چارپائی یا چوکی یا پیڑھی ہی میسر آ سکے تو پانی کے دو گھڑے یا مٹکے یا کوئی اور ایسا ہی برتن گھنئی کے طور پر باندھیں اور اسی طرح کی دو گھنئی اس طور پر جوڑ

دی جائیں کہ چوکا بن جائے پھر اس کے اوپر چوکی یا چارپائی وغیرہ رکھ کر مضبوطی سے باندھ دی جائے اگر احتیاط سے استعمال کیا جائے تو چار آدمی بآسانی جان بچا سکتے ہیں۔ اور ایک آسان صورت یہ بھی ہے کہ فوراً گھر کا ایک چھپر اُتار کر پانی میں ڈال دیا جائے اور اُس پر پناہ لے لیں۔ پانی کے ساتھ ساتھ وہ اونچا ہوتا جائے گا اور جانیں بچ جائیں گی۔

(۱۱) اگر کئی آدمی کوئی گہرا نالہ پار کرنا چاہیں اور پار کرنا ضروری سمجھیں تو تین آدمی مل کر اپنی دھوتیوں کو خوب مضبوط ایک ہی میں جوڑ دیں اور پھر جو شخص تیرنا جانتا ہے وہ ایک سرا لیجا کر نالہ اس پار کھڑا ہو اور کچھ آدمی اُس کا سرا اس پار پکڑے کھڑے ہوں یا اگر ممکن ہو تو کسی درخت سے باندھ دیں اور اسی کے سہارے لوگ اُتر جائیں، جب آخری آدمی کے اُترنے کا موقع آئے تو اس وقت تیرنے والا آدمی اس پار آ جائے اور سرا پکڑ لے اور نہ تیرنا جاننے والے آدمی سے کہے کہ وہ بھی دھوتی کے سہارے اُتر جائے

(۱۲) عام طور پر نوجوان تیراکی کے زعم میں اکثر ڈوبے ہیں اس کے دو سبب ہوتے ہیں اوّل یہ کہ تیرتے وقت کچھ دور تک جانے کے بعد جب کہ وہ اپنی طاقت کھو چکتے ہیں اپنے زعم میں اتنا ہی فاصلہ طے کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں کہ جس قدر تیرنے کی ان میں معمولی طور پر قوت ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ بعض لوگ پانی کے پاٹ کا اندازہ غلط کرتے ہیں۔ فرض کیا کسی آدمی میں آدھے

میل تیرنے کا دم ہے اُس نے ایک میل کے پاٹ کو آدھا میل اندازہ کیا تو ممکن ہے کہ درمیان میں ہاتھ پیر جواب دیدیں۔

(۱۳) دریاؤں کے پٹیوں میں اور زیادہ تر رتیلی جگھوں میں زمین اوپر سے بظاہر خشک اور سخت معلوم ہوتی ہے لیکن اندر سے بالکل پولی اور دلدل ہوتی ہے اس میں بعض اوقات انسان اور زیادہ تر گائے بیل پھنس کر زمین میں سما جایا کرتے ہیں، صورت یہ ہوتی ہے کہ جب انسان یا جانور اپنا ایک پیر دلدل سے نکالنے کے لئے اوپر کو کھینچتا ہے تو اُس کے جسم کا سارا زور دوسرے پیر پر پڑتا ہے جس کی وجہ سے یہ دوسرا پیر زیادہ دھنس جاتا ہے اور جب اس کو نکالنے کی کوشش کرتا ہے تو دوسرا پیر دھنس جاتا ہے اس طور پر انسان یا جانور دلدل میں سما جاتے ہیں اور اسی بات کو دیکھ کر اہل زبان نے دلدل میں پھنسنے کا محاورہ ایجاد کیا ہے۔

اگر انسان دلدل میں پھنس جائے تو اُسے حواس قائم رکھ کر یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ ایک پیر کھینچنے کی کوشش میں دوسرا پیر نہ دھنسنے دے بلکہ اگر خالی ہاتھ ہیں تو پیر پھنسنے کے بعد ہی فوراً چاروں شانے چت دونوں ہاتھ پھیلا کر اس طور پر لیٹ جائیں کہ جسم کا تمام بوجھ سارے جسم پر بٹ جائے اگر ہاتھ میں کوئی لاٹھی وغیرہ ہو تو اس کو کمر کے نیچے ڈالے اور اگر جھوا یا کھانچی وغیرہ ساتھ ہو تو اُس کا سہارا لے اور اس طرح لیٹ کر دھیرے دھیرے پیر دلدل سے

کھینچنے کی کوشش کرے اس کے بعد آدمی اگر تنہا ہو تو اسی طرح لیٹے لیٹے لوٹنے پوٹنے سے دلدل سے باہر آنے کی کوشش کرے اور اگر کوئی مددگار قریب موجود ہو تو وہ لاٹھی بانس وغیرہ سے اُسے پکڑ لینے کو دے یا دھوتی رسی وغیرہ اُس کے قریب پھینک دے تاکہ وہ اس کے سہارے سے نکل سکے اور اگر جانور پھنس جائے اور دلدل صرف تھوڑی دور تک ہو تو لکڑی کے تختے یا پتاور (سینٹھے یا جھاکڑ) بچھا کر اس جانور تک پہونچیں اور اگر ممکن ہو تو اس کے پیٹ کے نیچے ایک یا دو بانس ڈال دیں تو جانور پھنسا رہے گا لیکن دھنسے گا نہیں۔ اب پھر عام طور پر چھ سات آٹھ گھنٹے کے بعد دلدل کی حالت میں فرق پیدا ہوگا اور دھنساؤ کم ہو جائیگا اُس وقت جانور کو نکال لیں۔

(۴) یہ کہ کشتیوں سے دریا عبور کرتے وقت یہ دیکھ لیجئے کہ کشتی کو دیکھتے ہوئے زیادہ آدمی یا سامان تو نہیں لادا گیا ہے کہ کشتی ڈوب جائے بعض اوقات دیکھنے کو کشتی پر آدمی دو ہی چار ہوتے ہیں لیکن سامان بیس پچیس کا لدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے کشتی ڈوب جایا کرتی ہے ہم کو جلد دریا پار کرنے کی فکر نہ کرنی چاہیئے بلکہ یہ فکر کرنی چاہیئے کہ ہم خود اور ہمارے ساتھی صحیح وسالم دریا پار کرسکیں۔ اگر بیچ دریا میں پہونچ کر یہ معلوم ہو کہ بوجھ زیادہ ہے اور کشتی ڈوب جائے گی تو جو لوگ تیرنا جانتے ہیں اُن کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کی جانوں کی حفاظت کے لئے پانی میں کود کر کشتی کے ساتھ ساتھ تیرتے ہوئے نکل جائیں اس طور پر بوجھ ہلکا ہوگا

اور کشتی کنارے پہونچ سکے گی اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو فوراً غیر ضروری سامان پھینک دینا چاہیئے اور یہ دیکھنا چاہیئے کہ کشتی کے سوراخوں سے رِس رِس کر پانی تو نہیں آرہا ہے کہ جو بظاہر تو ایک آدھ انچ ہے لیکن وزن میں دس آدمیوں کے برابر ہے اس پانی کو کشتی میں بیٹھنے والے مل کر اُلیچ دیں اور راستے میں کوئی بھی خطرہ پیش آئے تو حواس قائم رکھیں اور کشتی کا وزن تلا رہنے دیں، اکثر کشتیاں اس لئے ڈوب جاتی ہیں کہ سوار ہونے والے کشتی کے کسی ایک ہی حصّہ پر زیادہ بار ڈالدیتے ہیں

(۱۵) بعض پہاڑی جگہوں پر ایسے پُل بنے ہیں کہ جہاں بیک وقت دو ہی ایک آدمی گزر سکتے ہیں وہاں جلدی گزرنے کے خیال سے کئی آدمی نہ گزریں۔ بعض جگہ قریب میں پُل نہیں ہوتے تو لوگ ریلوے کے پُل سے ہو کر گزرتے ہیں یہ بہت غیر محفوظ طریقہ ہے۔ پیر پھسلنے سے اکثر جانیں ضائع ہوتی ہیں اور کسی کو اطلاع بھی نہیں ہوتی اور کبھی کبھی ریل سے پس کر سُرمہ بھی ہو جاتے ہیں جہاں تک ہوسکے دور کا راستہ طے کر لیا جائے لیکن ریل کے پُل سے نہ گزرا جائے، یہ بہت بڑے خطرے میں پڑنا ہے۔

اگر انسان بہتا ہوا کسی درخت کا سہارا پا جائے یا بہاؤ کے آثار دیکھے اور کوئی تدبیر بن نہ آئے تو کسی درخت پر چڑھ کر پناہ لینا چاہیئے۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ کسی محفوظ و مضبوط جگہ یا کسی دوشاخہ و تہ شاخہ پر بیٹھے تاکہ اگر اونگھ بھی جائے تو نہ گر سکے۔ دوسرے یہ کہ اس بات پر نظر رکھے کہ کوئی ریچھ یا بندر تو نہیں چڑھ آیا ہے

یا کوئی سانپ تو درخت پر لپٹ کر نہیں چڑھ گیا ہے، سیلاب گزر جانے کے بعد سیلاب زدہ علاقوں میں امدادی کام عوام کو خود شروع کرنا چاہیئے۔ اور اس کام کو محنت اور خلوص کے ساتھ اس طرح کیا جائے کہ گویا ہم اپنا ہی کام کر رہے ہیں۔ اس طرح ہم اپنی قومی خود اعتمادی کا مظاہرہ کریں گے۔ اگر حکومت نے اس کام کو شروع کیا ہے تو باوجود سیاسی اختلافات کے ہم کو حکومت کے ساتھ پورا اتحاد عمل کرنا چاہیئے

زنانہ ٹکٹ

(از شوکت تھانوی)

اسٹیشن پر ایک گنوار کو بدحواسی کے ساتھ سکنڈ کلاس میں جاتے ہوئے دیکھ کر میں نے اپنے دوست ٹکٹ بابو سے کہا۔ "ابھی تک ہمارے ملک میں جہالت کی یہ حالت ہے کہ تیسرے درجہ اور سکنڈ کلاس کا فرق ان غریب مسافروں کو نہیں معلوم"۔ ٹکٹ بابو ہنسکر کہنے لگا:۔ "ارے یہ تو کچھ بھی نہیں جہالت کا نمونہ دیکھنا ہے تو دیکھو یہ مسافر جو آرہا ہے اس کا تماشہ دکھاتا ہوں"۔

ایک پگڑ باز کندھے پر گٹھری بغل میں لٹھ اور ہاتھ میں ٹکٹ سنبھالے ہوئے آگے بڑھا۔ ٹکٹ بابو نے بڑی زور سے ڈانٹ کر کہا۔ "یہ تم زنانہ درجہ کا ٹکٹ لے آئے"۔ بیچارے پگڑ باز لٹھ بند نے کھیسیں نکال کر پہلے تو بابو کو دیکھا اس لئے کہ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آرہا تھا کہ یہ کالا کالا صاحب کیا کہہ رہا ہے اور اس کا مطلب کیا ہے۔ مگر بابو نے اُس کو پھر ایک ڈانٹ بتائی۔ "گنوار کہیں کا کیا عورتوں کے درجہ میں بیٹھے گا جو یہ ٹکٹ لیکر آیا ہے"۔

اب وہ بیچارہ صرف یہ سمجھ سکا کہ مجھ کو بھی کچھ کہنا چاہیئے۔ گڑگڑا کر کہنے لگا۔ "مائی باپ مگل سرائے جاوا چاہت ہے"

بابو نے اُسے بات بھی پوری نہ کرنے دی اور دانت پیس کر بولے :۔

"مغلطہ اپنے تو جائے گا مگر کالا آدمی تم نے یہ عورتوں کا ٹکٹ کیوں لیا"۔

بابو جی اس گنوار سے زیادہ کالے تھے مگر "کالا آدمی" اس لئے کہہ سکتے تھے کہ کچھ پڑھے لکھے تھے اور اس لئے بھی کہہ سکتے تھے کہ سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اس گنوار نے اپنے اور بابو جی کے رنگ پر غور بھی نہ کیا۔ وہ اس وقت حیران اور پریشان چور سا بنا ہوا بابو کے سامنے کھڑا ہوا تھا، مسافر ریل میں بیٹھ رہے تھے اور ریل چھوٹنے ہی والی تھی، گنوار کو اسی گاڑی سے جانا تھا، اس نے ہاتھ جوڑ کر پھر کچھ کہنا چاہا۔ بابو نے اس کو پیچھے ڈھکیل کر کہا :۔

"ایک روپیہ اور دینا ہوگا تو یہ مردانہ ٹکٹ بن سکتا ہے"۔

انجن نے اتنے میں سیٹی دی۔ گنوار نے جلدی جلدی اپنا ٹینٹ ٹٹولا۔ کچھ پیسوں کو گنا، کچھ حساب لگایا، کچھ بھولا اور آخر ایک روپیہ کے پیسے بابو کے ہاتھ میں رکھ دئے اب بابو نے ٹکٹ کو لے کر اپنے ٹکٹ کاٹنے کے سروتے سے ٹکٹ کو کاٹا، پنسل سے اس پر کچھ لکھا، اور گنوار کے خیال میں اسے مردانہ ٹکٹ بنا دیا۔ وہ اپنی گٹھری سنبھالتا ہوا دوڑا اور چلتی گاڑی کے ایک ڈبہ میں اس طرح بیٹھ گیا جیسے یہ ٹکٹ لینے اور اس کو ایک روپیہ زیادہ دینے کے بعد بھی وہ اس قابل نہیں کہ اس ریل میں بیٹھے مگر یہ ریل والوں کا احسان ہے کہ اس کو بٹھائے لیتے ہیں۔ بابو ہماری طرف دیکھ کر مسکرایا اور دوڑ کر مسافر کا روپیہ اسے واپس کر دیا وہ جتنا پہلے

حیران تھا اس سے زیادہ اب حیران ہوا۔ گاڑی چھوٹ گئی۔ بابو نے مجھ سے کہا آپ کو معلوم ہے یہ سب کیوں ہوا؟ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ وہ بیچارہ پڑھا لکھا نہ تھا۔ اگر وہ پڑھا لکھا ہوتا تو اُس کو معلوم ہوتا کہ ریل میں زنانہ اور مردانہ درجہ کا ٹکٹ الگ الگ نہیں ہوتا اور دونوں کے لئے ایک ہی ٹکٹ دیا جاتا ہے جس کے ایک ہی دام ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اگر وہ پڑھا لکھا ہوتا تو ریل کا مین کالا بابو تو خیر خود ہی کالا ہوں مگر کوئی گورا بابو بھی اس کو کالا آدمی نہیں کہہ سکتا تھا اور نہ ریل کے کسی ملازم کو اس کا حق ہوسکتا ہے کہ وہ کسی مسافر سے تو تکار سے بات کرے۔ اگر وہ لکھا پڑھا ہوتا تو اس کو اس کا بھی پتہ ہوتا کہ ریل کے ہم سب نوکر سرکاری نوکر ہیں اور اس لئے نوکر ہیں کہ مسافروں کے آرام کا خیال رکھیں اور مسافروں کے آرام کے لئے جو قاعدے قانون سرکار نے بنائے ہیں ان کو پورا ہونے دیں۔ اگر وہ گنوار پڑھا لکھا ہوتا تو اس کو معلوم ہوتا کہ ریل کا ٹکٹ لینے کے بعد وہ ریل کا ایک عزّت دار مسافر ہوتا ہے۔ اِس کو اس کا حق ہوتا ہے کہ وہ آرام کی جگہ اپنے لئے نکالے اور ٹکٹ پر جو دام اس نے خرچ کئے ہیں ان کے بدلے آرام سے سفر کرے۔

مگر وہ پڑھا لکھا نہیں تھا۔ اسی لئے میں نے اس کی ذلّت کی اور وہ ذلّت کو نہ سمجھا۔ میں نے اُس سے ایک روپیہ زیادہ لیا مگر اُس نے اسی کو غنیمت سمجھا۔ میں نے اس کو پریشان کیا مگر وہ پھر بھی اس کو میرا احسان ہی سمجھا کہ میں نے اسی گاڑی سے سفر کرنے کی اجازت دے دی اور اس کے بعد جب میں نے

روپیہ دیا ہے تو وہ کس قدر حیران تھا۔ اس واقعہ سے مجھے حیرت تھی مگر میں نے بابو کی بات کاٹ کر کہا:-

"اب یہی گاؤں والے پڑھ لکھ کر اس طرح پریشان ہونے سے بچ رہے ہیں، اُن کی آنکھیں کھل رہی ہیں اور تعلیم ان کو بتا رہی ہے کہ وہ خود کیا ہیں اور ان کے حق کیا کیا ہیں۔ تھوڑے دنوں میں تم جہالت کی ایسی مثالیں پیش نہ کر سکوگے

جھنڈا اونچا رہے ہمارا

(از جناب شفیع الدین صاحب نیر)

ہے اچھا سب سے نیارا رنگ برنگا پیارا پیارا
قوم کی اُمیدوں کا سہارا سب کی تمنا کا گہوارا
دل کی ٹھنڈک آنکھ کا تارا
جھنڈا اونچا رہے ہمارا

شمع وطن کے پروانوں کو آزادی کے دیوانوں کو
ہندوؤں اور مسلمانوں کو ہند کے سارے انسانوں کو
ہے یہ اپنی جان سے پیارا
جھنڈا اونچا رہے ہمارا

دیس وِسا دکھلانے والا ہوش میں ہم کو لانے والا
جوش سے دل گرمانے والا خدمت پر اُکسانے والا
دیس کی نیّا کھیون ہارا
جھنڈا اونچا رہے ہمارا

جب جھنڈا لہرائے گا یہ من کی جوت جگائے گا یہ
اپنایت پھیلائے گا یہ پریت کی ریت سکھائے گا یہ
پریم کا ساگر، پریم کی دھارا
جھنڈا اونچا رہے ہمارا

سوتوں کو بیدار کرے گا غفلت سے ہوشیار کرے گا
کوشش پر تیار کرے گا قوم کا بیڑا پار کرے گا
ہو جائے گا وارا نیارا
جھنڈا اونچا رہے ہمارا

جب قومی جھنڈا لہرائیں دیس کی حالت دھیان میں لائیں
آزادی کا عہد نبھائیں پھر مل کر یہ نغمہ گائیں
نیّر ہو غم سے چھٹکارا
جھنڈا اونچا رہے ہمارا

کسانی کے ساتھ اور مفید پیشے

(محمد اجمل عثمانی)

غریب کسان محض کھیتی کر کے کبھی امیر نہیں بن سکتے اُن کو چاہیئے کہ اپنی غریبی دور کرنے کے لئے کسانی اور کھیتی کرتے ہوئے ساتھ ہی ساتھ دوسری گھریلو کاریگریوں کو بھی سیکھیں اور کریں۔ نیچے لکھے ہوئے مضمون میں غور کرنے سے بہت سی گھریلو کاریگریاں معلوم ہو جائیں گی۔ تھوڑے عرصہ سے دیہاتوں میں گھریلو کاریگریوں کی طرف توجہ کی جا رہی ہے۔

محکمہ گاؤں سدھار یہ کوشش کر رہا ہے کہ گھریلو کاریگریاں کسان لوگ کرنے لگیں۔ کسان صرف کھیتی کر کے کبھی اپنی مالی حالت اچھی نہیں بنا سکتے۔ کیونکہ ہمارے ملک کی آبادی دن بدن بڑھتی ہی جاتی ہے اور ایسے لوگ بھی بہت بڑھتے چلے جاتے ہیں جو صرف کاشتکاری کر کے زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں اور کوئی دوسرا روزگار کھیتی کو کرتے ہوئے نہیں کرنا چاہتے۔ ایسی صورت میں کسانوں کی مالی حالت کا سنبھلنا تو درکنار اُن کا پیٹ بھرنا مشکل نظر آتا ہے محکمہ زراعت تمام ممکن طریقوں سے کھیتی کو ترقی دینے اور کامیاب بنانے کی کوشش کر رہا ہے مگر اصل یہ ہے کہ کسان بلا کوئی اور کام کئے اپنی حالت

نہیں سنبھال سکتا کھیتی بھی ہو اور ساتھ ہی ساتھ کوئی اور گھریلو کاریگری بھی ہو تب تو کسان کی حالت سنبھل سکتی ہے ورنہ صرف کاشتکاری سے اب اس کا کام چل نہیں سکتا۔ سب سے بڑی مشکل تو یہ ہے کہ مالی حالت کمزور ہونے کی وجہ سے کسان وہ تمام چیزیں وقت پر اکٹھا نہیں کر پاتا جو کھیتی کے لئے ضروری ہیں۔ اس لئے مالی حالت درست کرنے کے لئے بہت ضروری ہے کہ کسان علاوہ کسانی کے اور کوئی دوسرا آمدنی کا ذریعہ ضرور نکالے۔ زرعی قانون کے بدلنے اور کواپریٹو سوسائیٹیوں کی کوشش سے بھی کسانوں کی مشکلیں دور ہونے کی امید نہیں ہے۔ اب کون سی ایسی تدبیر سوچی جائے جس سے کسانوں کی مصیبت دور ہو۔

اس مصیبت کے دور کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ دیہاتوں میں جو پرانی گھریلو کاریگریاں کسان کرتے تھے انھیں پھر شروع کر دیں اور ان گھریلو کاریگریوں کی طرف کسانوں کو زیادہ سے زیادہ دلچسپی لینا چاہیئے۔ پرانی گھریلو کاریگریوں کو کرتے ہوئے دوسری نئی کاریگری بھی سیکھیں اور کریں۔ پرانے زمانہ میں کسان اپنی گھریلو کاریگریوں سے اپنی ضرورت تو پوری کرتے ہی تھے اوروں کی ضرورتیں بھی ان کی گھریلو کاریگریوں سے پوری ہو جاتی تھیں۔ اس لئے سخت ضرورت ہے کہ وہ جملہ گھریلو کاریگریاں کسان بہت جلد شروع کر دیں۔ مہاتما گاندھی بہت پہلے اس ضرورت کو سمجھ چکے ہیں اور بہت دنوں سے اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ دیہاتوں میں سوت کاتنے اور کپڑا بننے کا کام ضرور جاری کیا جائے۔ اپنی فرصت کے

وقت میں اگر کسان اس کام کو کرنا شروع کر دیں تو اپنے پہننے کے لئے کپڑے تو تیار ہی کر لیں گے اور ساتھ ہی ساتھ کچھ کپڑا بیچ کر تھوڑی رقم بھی حاصل کرینگے اس طرح وہ بچا ہوا وقت جو بے کار صرف ہو جاتا ہے کام میں لگ کر کپڑا بھی مہیا کر دے گا اور کچھ رقم بھی۔ ایسی گھر کی بنی ہوئی چیزوں کا، کارخانوں اور ملوں کی بنی ہوئی چیزوں سے مقابلہ نہ کرنا چاہیئے۔ کپڑا بننا اور کھدر بنانا گھریلو کاریگریوں میں سے ایک کاریگری ہے۔ بہت سی اور کاریگریاں ہیں جو فرصت کے وقت کسان کر سکتے ہیں۔ اب ضلع کے گاؤں سدھار مرکزوں میں بہت سی چیزوں کے بنانے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ چمڑے کا کام بہت کامیاب رہا ہے اسی طرح ایک مرکز میں چپلیں اور ایک میں موٹے کمبل اچھے تیار ہو رہے ہیں۔ بعض مرکزوں میں دریاں اچھی بُنی جاتی ہیں۔ چھپائی اور رنگائی کا کام بھی اچھا ہونے لگا ہے۔ یہ تمام چیزیں ابھی حال ہی میں بننا شروع ہوئی ہیں اس لئے انھیں ترقی کرنے کا ابھی پورا موقع نہیں ملا ہے لیکن یہ تو معلوم ہی ہو گیا کہ ان صنعتوں کے ترقی کرنے کے لئے میدان کتنا وسیع ہے اور ان صنعتوں میں ابھی کتنی ترقی کی گنجائش ہے۔ ہر ضلع میں کچھ ایسی ایسی صنعتیں ضرور جاری کی جا سکتی ہیں لیکن اب سوچنا یہ ہے کہ ان صنعتوں کو کس طرح ترقی دی جائے ابھی تک سرکاری طور پر اس معاملہ میں کافی غور و خوض نہیں کیا گیا ہے اور بلا اس کے معاملہ میں کامیابی بہت مشکل ہے۔ محکمہ گاؤں سدھار کی طرف سے بہت سی

جگہوں پر اسٹور قائم کئے گئے ہیں اور کچھ کچھ کام بھی ہو رہا ہے لیکن اطمینان بخش کامیابی نہیں حاصل ہوئی۔ بعض جگہ اسٹور کھل گئے ہیں لیکن سامان ابھی کم ہے اور اس کے بیچنے کا معقول انتظام بھی نہیں ہے۔ میرا خیال ہے دوسرے مقامات پر بھی یہی مشکل ہو گی۔ اگر یہ سب دقتیں دور ہو جائیں تو یہ اسٹور بہت مفید ثابت ہوں گے۔ ان اسٹوروں میں سیکڑوں قسم کی چیزیں ہوں گی اگر ان تمام چیزوں کے تیار کرنے اور بیچنے کا معقول انتظام ہو جائے تو پریشانی اور مفلسی جو عام طور پر کسانوں کو گھیرے ہوئے ہے یقیناً دور ہو جائے گی اور گاؤں کے رہنے والے غریب کسان ضرور آرام کی زندگی بسر کرسکیں گے۔

(رسالہ ہل کے ایک مضمون کی روشنی میں لکھا گیا)

تم بھی غریب سے امیر ہو سکتے ہو

(از جناب جمیل صاحب طالب علم فلسفہ)

امیر ہونا صرف آسمانی دین نہیں ہے۔ بہت سے لوگ غلطی سے سمجھتے ہیں کہ امیر ہونا ایشور کی دین ہے۔ ایسا سمجھنا بہت بڑا دھوکا ہے۔ امیر ہونا مشکل ضرور ہے پر ناممکن نہیں۔ امیر ہونے کے لئے اچھی آمدنی کے لئے محنت اور ترکیبیں کرنا پہلا گُر ہے۔ دوسرا گُر خرچ کو سنبھالنا ہے۔ تیسرا گُر یہ ہے کہ طبیعت میں ہر وقت امیر بننے کی دُھن لگی رہے اگر تم ان تینوں گروں پر چلنے کو تیار ہو تو سمجھ لو تم بھی غریب سے امیر ہو سکتے ہو۔

تم نے باٹا کمپنی کے جوتے دیکھے ہوں گے۔ ہر شہر میں باٹا کمپنی کی کئی کئی دوکانیں کھلی ہوئی ہیں۔ یہ سب دوکانیں ایک ہی مالک کی ہیں۔ ان سب دوکانوں میں ہزارہا جوتے روز بکتے ہیں تم خیال کر سکتے ہو کتنی بڑی آمدنی ہوگی اور اس دوکان کا مالک کس قدر امیر ہوگا۔ یہ سُن کر تم کو تعجب ہوگا کہ اس کا مالک جس نے باٹا کمپنی قائم کی ایک ایسا غریب آدمی تھا جس کو جوتا تک نصیب نہ تھا۔ کئی کئی روز تک کھانے کو نہیں ملتا تھا۔ کئی کئی میل پیدل چلنا پڑتا تھا۔

اتنا غریب تھا کہ کپڑے تک نصیب نہیں تھے سردی میں سکڑا کرتا۔

یہی بھکاری لڑکا اس دھن میں لگ گیا کہ کسی طرح امیر بن جائے۔ خوب ترکیبیں کیں۔ خوب محنت کی۔ خوب خرچ کو بچایا۔ اپنے ہاتھ سے جوتا بنانا شروع کیا۔ پھر ایک چھوٹی سی دوکان کھولی جس میں خود بیٹھ کر جوتے سیا کرتا تھا۔ جب کام زیادہ نہیں ملا تو کئی کئی میل پیدل کام لانے کے لئے پاگل کی طرح مارا مارا پھرتا تھا۔ یہاں تک کہ کچھ کام آنے لگا۔ اس نے پھر آگے بڑھنے کی اور ترکیب سوچی چپ چاپ اتنے ہی پر صبر کر کے نہیں بیٹھ رہا۔ اس نے سوچ کر نئے نئے نمونوں اور بناوٹ کے جوتے بنانے شروع کئے۔ بازار میں ویسے جوتے نہیں ملتے تھے۔ بہت سے لوگ اس سے جوتے بنوانے لگے۔ دوکان میں کام بڑھ گیا۔ اس نے کاریگر لگا کر خوب محنت۔ ہوشیاری اور ایمانداری سے کام کیا۔ دوکان اور بڑھ گئی۔ اچھی آمدنی ہونے لگی۔ اس نے دوسری جگہ ایک دوکان اور کھول دی۔ اس میں بھی اچھی آمدنی ہونے لگی۔ اسی طرح تیسری جگہ کھولنا پڑی۔ اور پھر بعد کو ایک بڑا کارخانہ کھولنا پڑا اور تمام ملکوں میں دوکانیں پھیلا دیں۔ کام اتنا بڑھا لیا کہ جوتے ایک شہر سے دوسرے شہر میں بھیجنے کیلئے ہوائی جہاز مول لینا پڑے اور وہی لڑکا جو ایک بھوکوں مرتا تھا۔ سیکڑوں ہوائی جہازوں اور کارخانوں کا مالک ہو گیا۔ ہزاروں دوکانیں اسکی ہو گئیں۔ ہزاروں آدمی اس کے نوکر ہو گئے۔

یاد رکھو اس غریب آدمی کی طرح تم بھی امیر آدمی بن سکتے ہو۔ اگر تم بھی اسی کی طرح محنت اور کوشش کرو۔

ہنسی کی باتیں

(نوشتہ پنڈت لچھمن گرگو سوامی، مدرس مدرسہ بالغان سرکاری موضع شکا پور ڈاکخانہ منڈھور ضلع سہارنپور)

۱- ایک مریض کو حکیم صاحب نے نسخہ لکھ دیا اور کہا کہ اس کو پینا، آرام ہو جائیگا حضرت نے جا کر نسخہ پانی میں گھولا اور پی گئے، دوسرے روز پھر حکیم کے پاس گئے۔ حکیم صاحب نے نسخہ مانگا کہا وہ تو کل ہی پی ڈالا۔

۲- ایک احمق گھوڑے پر سوار اور گھاس کا گٹھا اپنے سر پر رکھے جا رہا تھا کسی نے پوچھا ارے گھاس کا گٹھا بھی گھوڑے پر کیوں نہ رکھ لیا۔ بولا کیا خوب گھوڑے پر بوجھ زیادہ نہ ہو جاتا۔

۳- ایک راجہ صاحب ایک دن صبح ہی شکار کو نکلے تو راہ میں ایک تیلی نظر پڑا۔ اور راجہ صاحب کو اس دن کوئی شکار نہ ملا۔ حیران و پریشان ہو کر واپس آئے اور تیلی کو بلا کر حکم دیا کہ تیری شکل اتنی منحوس ہے کہ ہمیں شکار نہ ملا اور پریشان ہوئے اس لئے تمھیں قتل ہونے کی سزا کا حکم دیا۔ تیلی نے جواب دیا۔ حضور میری شکل تو صرف اتنی ہی منحوس ہے کہ آپ کو شکار نہ ملا مگر میرے لئے آپ کی شکل اتنی منحوس ہے کہ آج مجھے سزائے موت بھگتنی پڑی۔ راجہ صاحب اس جواب پر بہت نادم ہوئے اور اس کو چھوڑ دیا۔

بجلی

(از حکیم ابو الشفا فیض آبادی)

بجلی اور برقی کشش کو آج سے ہزار پانچ سو سال پیشتر تھیلز نامی ایک یونان کے فلسفی و سائنس داں نے دریافت کیا تھا اس کے بعد پھر ملکہ ایلزبتھ کے زمانہ میں لوگوں نے اس کی طرف توجہ کی اور بہت حیرت ناک ترقیاں کیں بجلی کی روشنی، وائرلس، ٹیلیگرافی غرض کہ ہر کام فرانس، جرمنی، انگلستان اور ممالک متحدہ امریکہ میں اسی قوت سے لیا جاتا ہے۔ بجلی دو قسم ہوتی ہے ایک پازیٹیو، دوسرے نگیٹیو جسے ہم اپنی زبان میں مثبت (+) اور منفی (−) کہتے ہیں یہ آپ کو معلوم ہے کہ بجلی کی قوت صرف رگڑ سے پیدا ہوتی ہے اور اُس کی روکنے والی چیز مثلاً شیشہ وغیرہ اگر ہو تو وہ رُک جاتی ہیں ورنہ زمین میں چلی جاتی ہے۔ یہ زمین گویا بجلی کا بہت بڑا گودام ہے۔

اگر شیشہ ریشمی کپڑے سے رگڑا جائے تو اس شیشے پر مثبت بجلی پیدا ہوتی ہے اور کپڑے پر منفی۔ اسی طرح چیڑی کی بنائی ہوئی تیّبی کسی اونی کپڑے یا بلّی کی کھال سے رگڑی جائے تو چیڑی پر منفی بجلی پیدا ہوتی ہے اور کھال وغیرہ پر مثبت، مقناطیس صرف لوہے یا نکل یا کوبالٹ کو اپنی کشش میں لاتا ہے مگر بجلی کی قوت ہر چیز کھینچ لیتی ہے لیکن اگر دو چیزوں میں ایک

قسم کی بجلی ہو تو ان میں کشش نہ ہوگی بلکہ وہ دونوں علیحدگی اختیار کریں گی اور اگر کسی چیز میں بجلی کی قوت ہو اور اس کے پاس ریشم کا رگڑا ہوا شیشہ لایا جائے اور اس کے لاتے ہی وہ چیز علیحدگی اختیار کر لے تو سمجھنا چاہیئے کہ اس میں مثبت بجلی ہے اسی طرح چیڑی کی تبّی کے ذریعہ منفی کی شناخت ہو سکتی ہے۔

(۲) بجلی

اس کی شناخت کرنے کے لئے بہت سے آلے ایجاد کئے گئے ہیں جس میں سب سے پہلے آدمی کو الکٹر سکوپ سے کام پڑتا ہے جو ایک جار کی شکل کا ہوتا ہے اور اس میں دو ورق سونے کے معلق آویزاں ہوتے ہیں اس کے پاس بجلی کی قوت رکھنے والی چیزیں لائی جاتی ہیں اور دونوں ورقوں کے علیحدہ ہونے سے بھی بجلی کی قوت کا وجود معلوم کیا جاتا ہے۔ یہ بجلی کی قوت جمع بھی کی جا سکتی ہے۔ اور ہر ایک چیز میں بجلی پہنچائی بھی جا سکتی ہے جس کے واسطے بہت سی کلیں ایجاد کی گئی ہیں۔ ابر و باد اور بادل گھرنے کے زمانہ میں جو بجلی نظر آتی ہے وہ بھی اسی قسم کی بجلی ہے یعنی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے۔ بجلی کی قوت دھات پر زیادہ اثر کرتی ہے اور کانچ وغیرہ کی چیزوں پر اس کا اثر مطلق نہیں ہوتا۔ یعنی اس کے ذریعہ بجلی پہونچ نہیں سکتی ہے۔ اب بعض ملکوں میں پھانسی کی رسم موقوف ہو کر اسکی جگہ مجرم پلک جھپکنے میں بجلی کی قوت سے مار دیا جاتا ہے۔

نوٹ:۔ بادل اور بجلی اور ان سے بچنے پر گزشتہ نمبروں میں مضمون شائع ہو چکا ہے۔

مویشیوں کو بیماری سے بچانے کے طریقے

(از جناب منشی پریم بہاری لال سکینہ جسن پوری مدرس اڈلٹ اسکول پر باور)

مجید۔ آداب عرض!

حمید۔ آداب عرض۔ کہو یار مجید۔ آج کیسے ادھر راستہ بھول آئے۔

مجید۔ سنا ہے کہ تمہارے گاؤں میں کوئی اچھا گوتانہ رہتا ہے۔

حمید۔ تم کو گوتانے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔

مجید۔ بھئی کیا بتاؤں۔ میں تو مصیبت میں پڑ گیا ہوں۔ پرسوں میری ایک بھینس اور ایک بیل مر گیا اور دوسرا بیل بھی بیمار معلوم ہوتا ہے اس کو دکھانا ہے۔

حمید۔ کیسی بدنصیبی کی بات ہے کہ ہماری سرکار نے چوپایوں کے لئے جو شفا خانے کھول دئے ہیں وہاں مفت کا علاج نہیں کراتے اور ان گاؤں کے گوتاؤں سے علاج کراتے ہیں جو الف سے ب بھی نہیں جانتے۔ لگ گئی تو دوا، نہیں دھول ہے ہی۔

مجید۔ مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ شفا خانوں میں چوپایوں کا بھی علاج ہوتا ہے۔ میں تو یہی جانتا تھا کہ وہاں تو آدمیوں ہی کا علاج ہوتا ہے

حمید۔ آدمیوں اور جانوروں کے شفا خانے الگ ہیں۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ تمہارے

بیل اور بھینس کو بیماری کیا تھی ؟

مجید۔ گوتا نہ یہ کہتا تھا کہ اس کو سَتّ کی بیماری ہے۔

حمید۔ سَتّ کے مریض چوپائے کو شدت کا بخار، نبض تیز، ناک سے خون آلودہ اخراج، پیٹ میں درد اور اپھار، دھنڈری باہر نکلی ہوئی، گوبر پتلا اور خون آلودہ، پیشاب اکثر کالے رنگ کا، سانس لینے میں تکلیف اور جسم کے مختلف حصّوں پر سوجن وغیرہ علامات ہوتی ہیں۔ یہ سب تمہارے بیل اور بھینس کو تھیں

مجید۔ ہاں یہ سب علامت ان میں تھیں۔

حمید۔ یہ مویشیوں اور دیگر جانوروں کی مہلک بیماری ہے جو جانوروں کے یکایک بیمار ہو جانے اور اکثر ناگہانی موت واقع ہو جانے سے پہچانی جاتی ہے۔ نشیب اور دلدل والی جگہوں میں بالخصوص یہ بیماری ہوتی ہے۔ اس بیماری کی علامات چھوت لگنے کے بعد دس سے بیس گھنٹہ کے اندر اندر ظاہر ہوتی ہے عام طور سے اچھا بھلا جانور یکایک مرا ہوا ہی پایا جاتا ہے۔ اس کا علاج کرنا بہت مشکل بات ہے جانوروں میں بیماری پھیلتے ہی سب سے پہلے پاس کے مویشی ڈاکٹر کو خبر کرنی چاہیئے اچھے مویشی کے ٹیکہ لگوایا جائے۔ بیمار مویشی کو اچھے مویشی سے الگ رکھا جائے مویشی دو طرح سے بیمار ہوتے ہیں۔ ایک تو ان کی اچھی دیکھ بھال نہ کی جائے اور چارہ پانی ٹھیک نہ دیا جائے۔ دوسرے ایک بیمار مویشی سے دوسرے کو چھوت لگ جائے۔

مجید۔ تم نے کہا کہ بیماری پھیلتے ہی پاس کے مویشی ڈاکٹر کو خبر کیجائے یہ کیسے معلوم ہو کہ مویشی بیمار ہے۔

حمید۔ واہ یہ بھی تم نے ایک ہی کہی۔ اگر کوئی مویشی سست ہو جائے اور جگالی کرنا بند کر دے سمجھ لو کہ بیمار ہو گیا۔

مجید۔ بھلا ایسا کون ہو گا جو اپنے چوپایوں کی دیکھ بھال نہ کرے اور چارہ پانی دے۔

حمید۔ اچھا تم ہی بتاؤ کہ تم نے کبھی چار ڈول پانی کنوئیں سے کھینچ کر اپنے مویشیوں کو پلایا ہے میرا خیال ہے کہ جہاں تم کو پانی بھرا ملا ہو گا۔ پلا دیا ہو گا۔ یہ کبھی نہیں سوچا ہو گا کہ میں ان کو گندا اور میلا پانی کیوں پلاتا ہوں۔ یہی حال چارہ کا ہوتا ہے۔ جیسا بھی ہوتا ہے چوپایوں کے سامنے ڈال دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ گرمی کی لو لپٹ جاڑے۔ پالے اور برسات۔ سے بچاؤ پر بھی کوئی دھیان نہیں دیتا اور جو لوگ دھیان دیتے ہیں۔ ان کے مویشی ہمیشہ تندرست رہتے ہیں۔

مجید۔ تو کیا صاف پانی اور صاف چارہ دینے۔ لُو لپٹ اور جاڑے پالے سے بچانے سے کوئی بیماری نہ ہو گی۔

حمید۔ ان باتوں کے سوا جو چوپایوں کو باندھنے کی جگہ ہوادار ہونی چاہیئے۔ کھڑے ہونے اور بیٹھنے کی کافی جگہ ہو۔ جگہ ہر روز صاف کی جائے۔ چوپایوں کے آنے جانے کے راستہ میں کسی مناسب جگہ پر نمک کا ڈھیلا رکھ دیا جائے۔ جس کو وہ جب چاہیں چاٹ لیں۔ اگر میری باتوں پر دھیان دیا جائے تو میں زور دے کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ کوئی مویشی بیمار نہ ہو گا۔

Regd. No. A-625

شوکت تھانوی — عظیم بیگ چغتائی

[illegible]

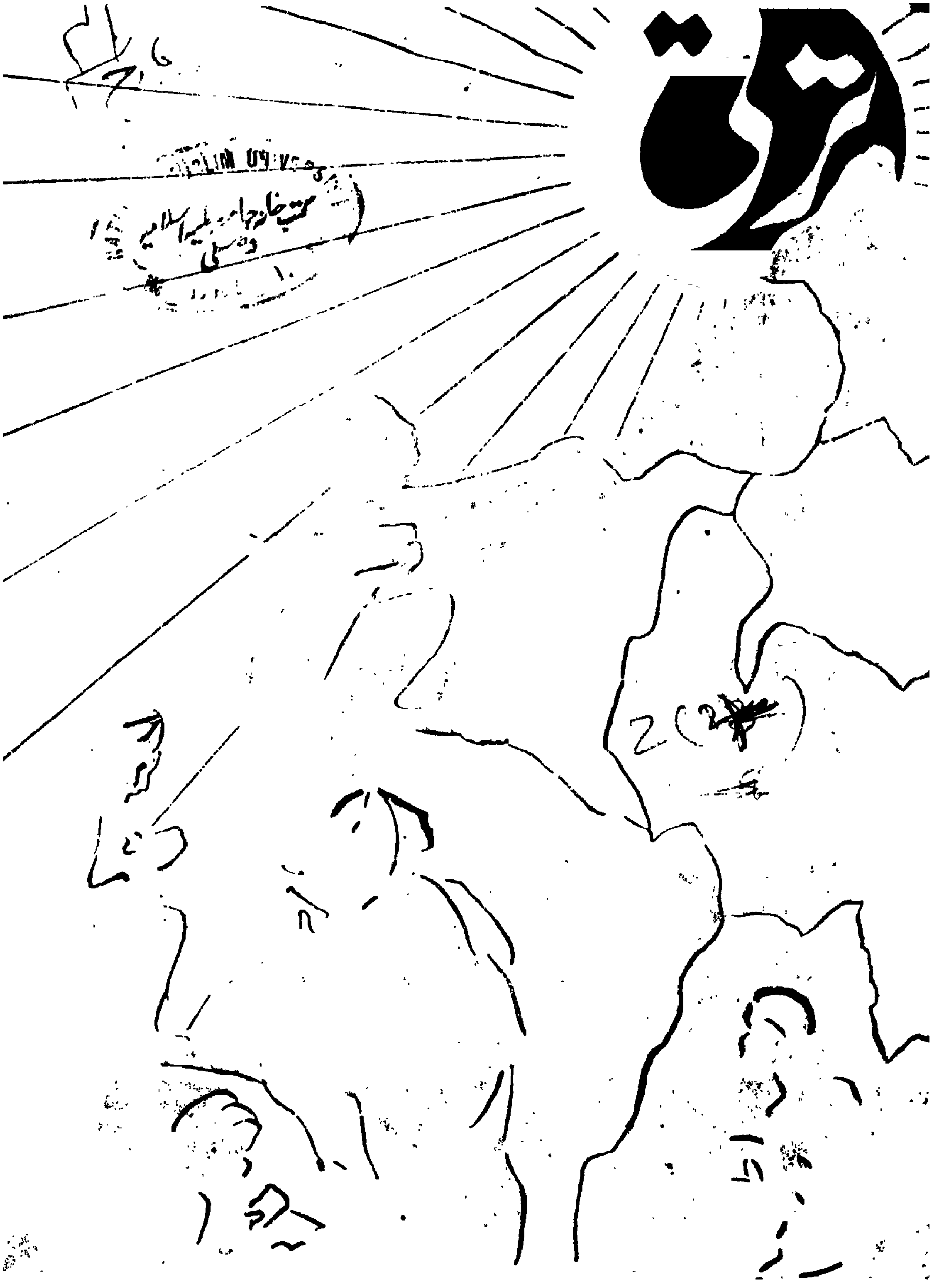
سیلاب تبسم

[illegible] ظرافت نگاری میں شوکت تھانوی [illegible]
[illegible] اس مجموعہ میں مصنف کے
[illegible] عظیم بیگ چغتائی کا [illegible]
شامل ہے [illegible]
[illegible] کتاب [illegible] خود [illegible]
[illegible] اس کتاب کو [illegible] پاس رکھئے [illegible]
[illegible] صفحات [illegible] کاغذ [illegible] تصاویر کے ساتھ
اس مجلد کتاب کی قیمت صرف [illegible] روپیہ [illegible] ہے

شائع کردہ: صدیق بکڈپو امین آباد پارک لکھنؤ

یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ میں سید [illegible] حسین نے
چھاپا اور [illegible] محمد صدیق نے صدیق بک ڈپو لکھنؤ سے شائع کیا

Only [illegible] Printed at the [illegible] Press Ltd. Lucknow



یوپی گورنمنٹ کا منظور کردہ

کم پڑھے لکھے لوگوں کے لئے رسالہ

ترقی لکھنؤ

اڈیٹر:- شفیق شاہ پوری

قیمت سالانہ ۶عہ
قیمت فی پرچہ ۱؎

جلد ۲	ماہ مارچ سنہ ۱۹۴۱ء	نمبر ~~۳~~ ۱

فہرست مضامین

عرضِ حال

از اڈیٹر

اس نمبر میں مدرسہ بالغان کے ایک ماسٹر نے اپنی مشکلات کا ذکر کیا ہے اور ان میں سب سے زیادہ مشکل یہ ہے کہ بوڑھے بالغوں کو پڑھنے کے لئے رضامند کرنا ہی بڑا کام ہے اور پڑھانا تو دور رہا۔ دوسری مشکل یہ ہے کہ دن بھر کی محنت کئے ہوئے اور تھکے ماندے رات میں بھی اس کام کے لئے وقت دینے سے بچتے ہیں یا اپنی تفریح کے لئے گپ بازی۔ آلھا خوانی اور ناچ رنگ کے جلسے پسند کرتے ہیں یا اپنی غریبی اور مفلسی کا بہانہ کرتے ہیں یہ سب صحیح ہے لیکن ان کو یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ اگر یہ بھولے بھالے اور اپنی ضرورتوں سے بے خبر انسان اپنے انجام پر نظر رکھتے ہوتے اور جگے ہوئے ہوتے تو گورنمنٹ کو انھیں جگانے کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی اور توسیع تعلیم کا محکمہ ہی کیوں قائم ہوتا۔ اور محکمہ کو آپ لوگوں کی خدمات کی ضرورت ہی کیوں محسوس ہوتی۔

اس کام میں پڑھنے والے جس قدر بدشوقی کا اظہار کریں استاد کو اتنا ہی زیادہ اپنی دلچسپی کا اظہار کرنا چاہئے۔ اور جتنا وہ تعلیم سے بھاگیں اتنا ہی ان کا پیچھا کرنا چاہئے۔ ان جذبات اور خیالات کا لحاظ کرکے بڑے استقلال کے ساتھ انھیں پڑھنے میں لگانا ہے۔

بالغان کے پڑھانے کی دردسری کا معاوضہ وہ تنخواہ نہیں ہے جو گورنمنٹ سے ملتی ہے بلکہ اصل معاوضہ وہ ہے جو مدرس اپنے بھائیوں کو تعلیم کے ذریعہ جگا کر اپنے فرض سے ادا ہوتے ہیں۔

اگر مدرسہ بالغان کے استاد اس کام کو اپنا کام سمجھ کر کریں تو یہ تعلیم کامیاب ہو جائے اگر ملک خبردار ہوتا تو یہ کام لوگ والنٹیر بن کر انجام دیتے۔ اب تو حکومت نے تعلیم بالغان کے لئے ہر طرح کی آسانیاں دی ہیں۔ جگہ جگہ مدرسے ہیں اور مدرسین کو تنخواہ بھی ملتی ہے۔ پھر کیوں نہ اس سے نفع اٹھایا جائے۔ ملک کے آدمیوں کو ایک قوم بنانے کے لئے سب سے ضروری کام یہی ہے کہ ہر بالغ کو پڑھایا جائے تاکہ سب کی آواز ایک ہو سب کا خیال ایک ہو اور ملک کی تعمیر میں چھوٹے بڑے سب حسب حیثیت ہاتھ بٹا سکیں۔

ہمارے دیس میں پہلے پڑھنے پڑھانے کا بہت چرچا تھا لوگ علم کو دان سمجھ کر اوروں کو دیتے اور ودیا کا دان لینے والے ہمیشہ اپنے گرو کا مان دان کرتے۔

ہر امیر رئیس اور زمیندار کے دروازے پر مولوی صاحب یا پنڈت جی موجود رہتے۔ اور مالک مکان کے بچوں کے ساتھ ساتھ محلہ کے غریب غربا کے لڑکے پڑھا لکھا کرتے اور اس طرح تعلیم عام ہوتی رہتی۔ اس خانگی تعلیم نے پرانے زمانے میں ایسے ایسے عالم فاضل پیدا کئے کہ آج ان کی ٹکر کا آدمی ملنا مشکل ہے۔

لیکن کچھ دنوں کے بعد خود غرضی نے ہمارے دیس کے خوشحال لوگوں کی عقل پر پردے ڈال دیئے انھوں نے دروازے پر استاد کا رکھنا فضول سمجھا اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ہمارے

[redacted]

یہاں ایک چھوٹا بچہ ہے اس کے لئے استاد گھر پر رکھنے کا بوجھ کیوں لیں۔ اس طرح دھیرے دھیرے گھریلو تعلیم کا یہ دروازہ بند ہوگیا۔ اب وقت آگیا ہے کہ اس خانگی تعلیم کے سلسلہ کو پھر چھیڑا جائے اور زمینداروں اور رئیسوں کے دروازے پر استادوں کو تعلیم پھیلانے کا موقع دیا جائے۔ صرف سرکاری مدرسوں سے ہماری ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں۔ یہ امراء کے دروازوں پر رہنے والے استاد بچوں کو بھی پڑھا سکتے ہیں اور بچیوں کو بھی اور وقت نکال کر شوقین بالغوں کو بھی پڑھائیں گے۔ اور پرانے وقتوں میں ہمیشہ ایسا ہوا کیا ہے۔

توسیع تعلیم کی تحریک مبارک تحریک ہے اس میں ہر شخص کو حسب حیثیت مدد کرنا چاہئے امراء محکمہ کو امداد دیں یا پرائیوٹ مدرسے کھولیں اور پڑھے لوگ کوشش کریں کہ سال میں ایک ایک دو دو بے پڑھوں کو اتنا پڑھا دیں کہ وہ پڑھنے لکھنے میں چل نکلیں۔

ہندوستان بے خبری اور جہالت کی زندگی سے عاجز آگیا ہے۔ ہم کو اب یہ بے خبری کا جامہ اتارنا ہے اور اس کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگانا ہے۔ لیکن یہ خیال ان لوگوں میں ہے کہ جو ملک کی ضرورت کو سمجھتے ہیں۔ لیکن اس ضرورت کی ان کو پروا نہیں کہ جن کے یہاں مال و دولت کا انبار ہے۔ جن کے ذرا سے اشارے سے ان کے ماتحت ہزاروں آدمی پڑھنا لکھنا سیکھ سکتے ہیں اور پڑھنے لکھنے کے بعد اچھے کسان اور کاریگر بن جائیں گے اور انکی ریاست کو ہر حیثیت سے مضبوط اور خزانہ کو مالامال کر سکیں گے۔

خدا ہمارے دیس کے آدمیوں کے دل میں یہ نیکی ڈالے کہ وہ جاگو اور جگاؤ۔ پڑھو اور پڑھاؤ کی آواز کے ساتھ ہم آواز ہو جائیں اور ملک میں ایسی حالت پیدا کریں کہ کوئی بے پڑھا نہو۔

پڑھا جنٹلمین

(از فقیر چند شرما مدرس ڈسٹرکٹ اسکول راجگڈھی)

موضع راجگڈھی کسانوں کی ایک بڑی بستی ہے لوگ پڑھے لکھے بہت کم ہیں گاؤں کے ایک شخص کے یہاں ایک مہمان آئے جو ظاہری ٹیم ٹام سے خاصے بابوجی معلوم ہوتے تھے وہ ایک بیٹھکے میں بیٹھے ادہر اُدہر کی باتیں اڑا رہے تھے کہ اتنے میں گاؤں کا ایک گوجر اپنا خط لیکر آیا اور ان بابوجی کو پڑھا لکھا آدمی خیال کرکے اُن سے خط پڑھنے کو کہا۔ بابوجی نے ٹالنے کے لئے منہ بنا کر کہا کہ "اس وقت ہم باتیں کر رہے ہیں پھر لانا تو پڑھ دیں گے"۔ جب بیٹھک کے لوگوں نے کہا کہ "پڑھ بھی دیو" تو بابوجی نے ٹالنے کے لئے کہا "روز کے تھکے ماندے آج چھٹی کے دن دل بہلانے آئے ہیں تو یہاں بھی لکھا پڑھی سے پیچھا نہیں چھوٹتا"۔ یہ کہہ کے ٹہلنے کے بہانے اٹھ کھڑے ہوئے۔ گوجر نے راستہ روک کر خوشامد کی اور تنہائی پاکر پان سگرٹ کے لئے چار پیسے بھی بابوجی کی جیب میں ڈالنے لگا اور بابوجی کے ہاتھ میں خط دے دیا۔ بابوجی کو یہ کپڑے پہنے ہوئے بہت شرم آئی اور نہ پڑھے ہوئے ہونے کا ایسا رنج ہوا کہ آنسو ڈبڈبا آئے بابوجی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر گوجر رو کر کہنے لگا کہ "بابوجی مورا سارا تو نہ مرگیو پہلے سنیچر کو موکو

گھبرا جبرائیل رہے کہ پورا سارا بیمار رہے، کہیں وہی تو نہیں مرگیو۔ ہائے رام وہ تو ابھی جوان تھا۔ وہ کے چار چھوٹے چھوٹے بالک ہیں ان کو کون پالے گا۔ گوجر چیخ چیخ کر رو رہا تھا اور بابوجی شرم سے آنسو بہا رہے تھے کہ اتنے میں اڈلٹ اسکول کے ماسٹر صاحب ادھر آ نکلے انھوں نے ان دونوں آدمیوں کو روتا دیکھ کر سبب پوچھا اور خط لے کر خود بھی پڑھا۔ اس خط میں یہ خبر لکھی تھی کہ گوجر کی لڑکی کے یہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ گوجر نے اڈلٹ ماسٹر سے بار بار پوچھا کہ دیکھئے یہی بات لکھی ہے کہ میری لڑکی کے یہاں لڑکا پیدا ہوا ہے جب گوجر کو یقین ہو گیا تو وہ خوشی خوشی اپنے گھر کی طرف چل پڑا اور اڈلٹ ماسٹر نے ان بابوجی سے سوالات کرنا شروع کئے کہ آپ کیوں رو رہے تھے" تو بابوجی نے کہا کہ "میں رو اپنی حالت پر رہا ہوں کہ کپڑوں سے بابوجی بنا ہوا ہوں اور پڑھا لکھا ایک حرف نہیں۔ افسوس میرے ماں باپ مجھے پڑھنے کے لئے بھیجا کرتے تھے اور میں راستے سے کھیل کود کر گھر کو آ جاتا ہائے میں نے اپنے قیمتی وقت کو کیسا برباد کیا۔ میرے آگے کے چھوٹے چھوٹے بچے پڑھنا لکھنا جانتے ہیں اور میں بالکل کورا ہوں"۔ اڈلٹ ماسٹر نے تسلی دی اور سمجھایا کہ بھائی اب بھی کچھ نہیں بگڑا تم اس کمی کو پورا کر سکتے ہو۔ اپنے گاؤں کے اسکول بالغان میں نام لکھا لو۔ گھنٹہ دو گھنٹہ روز رات میں وہاں حاضری دو اور پڑھنا سیکھو بابوجی کی سمجھ میں آ گیا اور ان اڈلٹ ماسٹر کے سامنے یہ قسم کھائی کہ میں آج جا کر اپنے کپڑے اتار دوں گا اور اس وقت تک ایسے کپڑے نہ پہنوں گا جب تک پڑھا لکھا آدمی نہ بن جاؤں۔

اے مرے جانباز کھلاڑی

(از نائل انصاری خیرآبادی)

اے مرے جانباز کھلاڑی
کھینچے جا تو اپنی گاڑی

تو نرغے میں آن پڑا ہے	اور بے اطمینان پڑا ہے
کیوں بے حس بے جان پڑا ہے	کوسوں ابھی میدان پڑا ہے

اے مرے جانباز کھلاڑی
کھینچے جا تو اپنی گاڑی

پاؤں بڑھا کر پیچھے ہٹنا	کام ہے یہ نامردوں کا
تو بن جا اک بہتا دریا	راہ کٹھن ہو پھر بھی گزر جا

اونچا نیچا کھائیں کھاڑی
کھینچے جا تو اپنی گاڑی

کام جہاں میں کچھ تو کر جا	کام ہی کرتے کرتے مر جا
تجھکو بھا در ڈر ہے کس کا	جس رستہ جا ہو کے نڈر جا

کیا جنگل اور کیسی جھاڑی
کھینچے جا تو اپنی گاڑی

منزل تک آرام نہ لینا	سستانے کا نام نہ لینا
خضر کی صورت چور ملیں گے	نائل دامن تھام نہ لینا

ہوگی تنکے اوٹ پہاڑی
کھینچے جا تو اپنی گاڑی

کی نوبت آتی۔ ساہوکاروں کا بھلا ہوتا، محرر، پیش کار اور وکیلوں کی جیبیں بھرتیں لیکن لڑنے والوں کے بال بچے ننگے بھوکے رہ جاتے!

اسی طرح لڑتے بھڑتے دونوں کو سالہا سال ہو چکے تھے۔ دونوں کی زندگی درد دُکھ کی مُنہ بولتی تصویریں بن کے رہ گئی تھی۔ دیکھنے والے ان کی گری پڑی حالت دیکھ کر افسوس کرتے تھے۔ کوئی کوئی سمجھانے کے لیے کہتا تھا "تم دونوں نے جو طریقہ اختیار کیا ہے یہ تمھاری ڈونگیا کو ڈبوئے بغیر نہ رہے گا۔ ہندو، مسلمان بھارت ماتا کے پُوت ہیں، انھیں بھائیوں کی طرح مِل جل کے رہنا چاہیے۔ جس گھر میں پھُوٹ ہوتی ہے وہ تباہ ہو جاتا ہے۔ تم نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ صبح سے شام تک مشقت کر کے جس فصل کو تیار کرتے ہو اُس کا لابھ تمھارے بڑے مہاجنوں، ساہوکاروں کچہری کے کارندوں اور وکیلوں کو پہنچتا ہے۔ تم اور تمھارے گھر والے منہ تکتے رہ جاتے ہو۔ آپس میں ملت سے رہو تو ایسا کبھی نہ ہو۔ لیکن اِن اچھی باتوں کو دونوں میں کوئی قبول نہ کرتا!

برکھا ہوئی نہیں تھی۔ کسان کی آنکھیں آسمان سے لگی تھیں۔ کالے بادل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے، ہوا کے گھوڑوں پر سوار، فضا میں اِدھر اُدھر اُڑتے پھرتے تھے۔ گرمی کی شدّت میں کوئی کمی نہ ہوئی تھی۔ سارا سارا دن بلکہ بھر رات تک آکاش سے آگ برستی رہتی تھی۔ گاؤں گوئیں کے لوگ کسی بھاری ضرورت کے سوا دن کو گھر سے

نکلنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے لیکن رحیم کو چین سے بیٹھنا نصیب نہ تھا۔ کھیتی باڑی بے دیکھ بھال کے یونہی پڑی تھی۔ اسے صبح سے شام تک مقدمہ کی پیروی میں گزر جاتا تھا۔ رام نے اُس کے خلاف نالش دائر کی تھی۔ کئی پیشیاں ہو چکی تھیں اور نجانے کتنی ہونے کو باقی تھیں۔

ایک دن رحیم گھر آ رہا تھا۔ سورج ڈوبنے میں تھوڑی کسر تھی۔ آسمان کے پچھمی کونے میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پیتل کا تھال جگمگا رہا ہے۔ چڑیاں چہچہا کر پیڑوں پر آ بیٹھی تھیں۔ چہکار کی رسیلی آوازوں سے جنگل گونج رہا تھا۔ دفعتہً گاؤں سے گوہار سنائی دی۔ رحیم نے چونک کر دیکھا۔ بھورے دھوئیں کا بادل زمین سے اُٹھ کر آسمان کی طرف جا رہا ہے۔

وہ سمجھ گیا کہ کہیں آگ لگی ہے۔ اُس کا دل انسانی ہمدردی سے بھر آیا۔ تھکے ہوئے پاؤں میں جان آ گئی اور غل کی طرف تیز تیز بڑھنے لگا۔ اس کا گمان ٹھیک تھا۔ رام کے گھر میں آگ لگی تھی، شعلے بھڑک بھڑک کے آسمان کو چھو لینا چاہتے تھے۔

گاؤں والے بجھانے کی تو بہتیری کوشش کرتے تھے مگر جیٹھ بیساکھ کے تپتے ہوئے پھونس کی آگ سے زور نہ چلتا تھا۔ رام کا عجیب حال تھا۔ گھبرایا گھبرایا چاروں طرف دوڑتا پھرتا تھا۔ مینا سی باتیں کرتی ہوئی چھ سات برس کی لڑکی اندر ہی رہ گئی تھی۔ لپکتے ہوئے لال لال شعلے کسی کو اندر جانے کا راستہ نہ دیتے تھے۔

رحیم سے اپنے بَیری کی بپتا دیکھی نہ گئی۔ اس نے ایک آدمی کے ہاتھ سے گھڑا چھین کر

[redacted]

اپنے کپڑوں پر اُنڈیل لیا پھر پاگل کی طرح آگ کی طرف لپکا اور دیکھتے ہی دیکھتے لوگوں میں گھُس گیا!

تماشائی، اُس کی دلیری سے حیران رہ گئے۔ سب کو یقین تھا کہ اسکو آگ جلا کے بھسم کردے گی مگر ذرا ہی دیر میں دیکھا گیا کہ وہ بے ہوش بچّی کو سینے سے چمٹائے آگ سے نکل رہا ہے!

رام نے دَوڑ کر، اُس کی گود سے بچّی کو لے لیا۔ رحیم میں اب سنبھلنے کی طاقت نہ تھی۔ اس کا جسم جگہ جگہ سے جل چکا تھا۔

رحیم کئی مہینے تک کھاٹ سے لگا رہا۔ اُس کی کھیتی باڑی تو مقدمہ بازی سے چوپٹ ہو ہی چکی تھی لیکن انسانی ہمدردی کی جو اچھی مثال قائم تھی اس نے پُرانے صیدی کو رام کرتے ہوئے دوست بنا دیا تھا۔

رام نے اس احسان کی شکر گزاری میں اُس کی تیمار داری اور دوا دارو کے ساتھ اس کے پریوار کا خرچ برچ اپنے ذمّہ لے لیا تھا۔ اب وہ دونوں بڑے گہرے دوست بن چکے تھے۔ دنگا فساد، کھوٹ کپٹ اور مقدمہ بازی کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ اب رام و رحیم کی طبیعتیں بالکل بدل چکی تھیں۔

اب اُن کے کھیت لہلہایا کرتے تھے، پیداوار بڑھ گئی تھی۔ اور اس کا منافع ساہوکاروں منشیوں یا وکیلوں کی جیب میں نہ جاتا تھا۔ کبھی دو کسانوں کے بیچ میں جھگڑا ہو جاتا

تھا تو رام اور رحیم اپنی مثال سے دونوں کے ہاتھ ملوا دیتے تھے۔ اُن کی کوشش سے گاؤں میں میل ملاپ اور بھائی چارے کی فضا پیدا ہوگئی تھی۔ ہندو، مسلمان، اونچ، پنچ سب رواداری اور مساوات کی زندگی بسر کرنے لگے تھے اور گاؤں کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک امن وچین۔ اتفاق و اتحاد کا راج تھا۔

لطائف

ڈاکٹر۔ (کمپاؤنڈر سے) تم نے مریض کو صبح وہ سفوف کھلا دیا تھا۔
کمپونڈر۔ جی ہاں۔
ڈاکٹر۔ اور ۱۰ بجے وہ عرق پلا دیا تھا۔
کمپونڈر۔ جی نہیں۔
ڈاکٹر۔ تم بہت بے وقوف ہو نسخہ کا پورا استعمال نہیں ہونے دیتے۔
کمپونڈر۔ حضور کے دیئے ہوئے سفوف ہی سے جب مریض کا کام تمام ہوگیا تو عرق کی کیا ضرورت تھی

قرض خواہ۔ (قرضدار کے نوکر سے) مسٹر بدرالدین کہاں ہیں۔
نوکر۔ وہ باہر گئے ہیں۔
قرض خواہ۔ وہ کب آئیں گے۔
نوکر۔ جب آپ چلے جائیں گے۔

مجسٹریٹ۔ (تم لوگوں نے دنیا کا انتظام بگاڑ رکھا ہے)
مجرم۔ (مجسٹریٹ سے) حضور یہ صحیح نہیں۔ ہم ہی لوگ بہت سے سرکاری محکمے چلا رہے ہیں اور ہزاروں آدمیوں کو ہماری وجہ سے
مجسٹریٹ۔ تمہاری وجہ سے؟
مجرم۔ حضور ہم لوگ جرائم نہ کریں تو آپ ایسے لوگوں کو روزگار نصیب نہ ہو۔ جرائم نہ ہوں تو نہ کچہری ہو اور نہ مجسٹریٹ

تعلیم بالغاں کی مشکلات

(از جناب ہری شنکر شرما ماسٹر گورنمنٹ اڈلٹ اسکول بھٹانہ ضلع میرٹھ)

یہ ہماری بڑی خوش قسمتی ہے کہ ہمیں اپنے سے برابر کے لوگوں یا اپنے سے بڑے لوگوں کو پڑھانے کا موقع ملا ہے۔ ہمیں اس موقع کو غنیمت سمجھنا چاہئے اور بلا سرکاری مدرسہ کی تنخواہ کی پرواہ کئے ہوئے ہم کو یہ کام اپنا فرض سمجھ کر انجام دینا چاہئے۔ اس راستہ میں جو مشکلات ہوں اُن کا مقابلہ کرنا چاہئے اور اس جہالت کی تاریکی کو علم کی روشنی پھیلا کر مٹا دینا چاہئے۔ اس کام میں سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ جن لوگوں کو پڑھانا ہے وہ عام طور پر پڑھنے کے نام سے بھاگتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ بھیا تھوڑی کٹ گئی تھوڑی کٹ جائے گی پڑھ لکھ کر کیا کریں گے۔ کوئی کہتا ہے۔ پڑھے لکھے ہزاروں جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں کوئی کہتا ہے بڑے بڑے پڑھے لکھوں کو دس روپیہ کی بھی نوکری نہیں ملتی۔ ہمیں کون کلکٹری مل جائے گی۔ یہ باتیں ہمارا دل توڑ دینے والی تھیں۔ لیکن ایک سمجھ دار ماسٹر کے لئے یہ بات اور بھی ہمت بندھانے والی ہے۔ کیونکہ اُن کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بے خبری میں ہیں۔ اور بالکل سوئے ہوئے ہیں اُن کو جگانے کی ضرورت ہے اور یہ جاگ

صرف تعلیم سے پیدا ہو سکتی ہے۔

پڑھنے لکھنے کے متعلق دیہاتیوں کے جو خیالات ہیں وہ بہت ہی افسوس ناک ہیں۔ میں اس قسم کا ایک واقعہ جس کا مجھ سے خود واسطہ پڑا ہے نیچے درج کرتا ہوں :-

میں ، اچھوتوں کی بستی میں بالغوں کو تعلیم دیتا ہوں۔ ایک بار میں نے اُن اچھوت لڑکوں میں سے ایک نوجوان کو بلانے کے لئے ایک شخص بھیجا۔ مکان سے اُس لڑکے کی ماں نکلی اور اس بُلانے والے کو مخاطب کرکے کہا کہ " گویا کہاں کا ڈپٹی بنے گا جا تو ہی پڑھ لیئو ،، حالت یہ ہے کہ عوام اتنا سو گئے ہیں کہ وہ پڑھنے لکھنے کا مطلب صرف نوکری ملنا سمجھتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ پڑھا لکھا آدمی ہر کام اچھا کر سکتا ہے۔

بعض لوگ کام کی زیادتی کا عذر کرتے ہیں کہ ہمارے پاس کام بہت ہے۔ کام کریں کہ پڑھیں۔ اور جب زیادہ کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ دن بھر کی محنت مشقت کے تھکے ماندے اب آرام کریں یا پڑھنا ئے کو بیٹھیں کوئی کوئی یہ کہتا ہے کہ ہم کو پیٹ بھر روٹی تو ملتی نہیں، فکریں کھائے جاتی ہیں، قرضہ تباہ کئے ہے ، ہمارا نہ پڑھنے کو دل چاہتا ہے نہ من لگتا ہے۔ بہرحال پڑھنے سے جان چرانے کے لئے عجیب عجیب بہانے تلاش کرتے ہیں۔ اڈلٹ ماسٹروں کے لئے سب سے پہلا کام اِن گاؤں کے بالغوں کو پڑھنے کے لئے رضامند کرنا ہے اور اگر اس پر وہ رضامند ہو گئے تو پڑھا لینا تو کوئی بات نہیں۔ بالغوں کو تعلیم کے لئے اُکسانے کا ایک ذریعہ ہو سکتا ہے۔ کہ گورنمنٹ ڈسٹرکٹ بورڈ کی او ٹمنگ یا دیہات کی پنچایت میں پڑھے ہوئے لوگوں کو ترجیح کا حق دے اور لوگ یہ سمجھنے لگیں کہ اگر ہمارے پاس جوت اور لگان کی حیثیت نہ سہی ہم کو پڑھے ہونیکی ایک حیثیت حاصل ہے

"میرا دیس ہے پیارا پیارا"

(از جناب شجاعت سندیلوی)

میرا دیس ہے پیارا پیارا — پیارا پیارا آنکھ کا تارا
دنیا کی ہے جنت[1] اس میں — سب سے اونچا پربت[2] اس میں
اس کے دریا گنگا جمنا — جن کا پانی امرت جیسا
شالامار[3] ہے باغ یہاں پر — سب سے اچھا تاج[4] یہاں پر
آریہ، مسلم اور عیسائی — رشتے میں ہیں یہ سب بھائی
رام[5]، کرشنا[6]، گوتم[7] جیسے — یہ سب ہادی[8] یہاں ہیں گذرے
چشتی[9]، نانک[10]، احمد[11]، غازی[12] — سب نے راہ دکھائی حق کی
دنیا بھر کی نعمت اس میں — نعمت اس میں دولت اس میں
غلہ میوے پھل ترکاری — ہوتی یاں ہیں چیزیں ساری
سب کچھ گو ہے ہم کو میسر — پھر بھی ہم سب سے ہیں بدتر
پھوٹ، حسد نے کھیل بگاڑا — ہرا بھرا یہ باغ اُجاڑا
آپس میں جو مل کر رہتے — اتنے کیوں دُکھ پھر ہم سہتے
ہوتی نہ اپنی یہ بربادی — رہتی یہاں بھی گھر گھر شادی

داتا! اب دل سب کے ملادے
ہندو مسلم بیر مٹا دے

---

[1] کشمیر [2] کوہ ہمالیہ [3] کشمیر کا ایک خوبصورت باغ [4] تاج محل [5] شری رامچندر جی [6] شری کرشن جی ...... [7] مہاتما گوتم بدھ [8] ہدایت کرنے والے [9] خواجہ معین الدین چشتی [10] گورونانک [11] مجدد الف ثانی سرہندی [12] سید سالار مسعود غازی بہرائچ

نوٹ:- اس نظم میں جن جن کے نام آئے ہیں ان کا حال بعد میں لکھا جائے گا۔ (شجاعت سندیلوی)

پھلوں کی تجارت اور ترقی

(از جناب سریش چندر پانڈے ممبر محکمہ گاؤں سدھار اہرورہ - (مرزاپور))

ہمارا ملک زراعت پیشہ ہے۔ ملک کے باشندوں میں بڑی اکثریت کسانوں کی ہے جو کھیتی باڑی سے گذر اوقات کرتے ہیں بے قاعدہ تقسیم کے باعث لوگوں کی مالی حالت خراب ہو گئی ہے۔ پھر کسانوں کا تو ذکر ہی کیا۔ اُن کی حالت تو سب سے زیادہ خراب ہے۔ متعدد جماعتیں اور مقررین اپنے دل کا غبار نکالتے ہیں مگر اُن کے افلاس کو دور کرنے کا علاج بھی اسٹیج ہی پر حل کیا جاتا ہے۔ زندگی کے عملی میدان میں نہیں۔ کتنے ہی بڑے بڑے مصنف اپنے قلم گھس کر، اصولوں کی وضاحت کرکے اپنی قابلیت کا ثبوت دیتے ہیں مگر آپ جانتے ہیں کیوں؟ اپنے نام اور شہرت کیلئے۔ یا پبلشر سے معاوضہ لینے کے لئے۔ ہم زیادہ دلیلیں پیش کرنے کے بجائے اب اپنے موضوع پر آتے ہیں۔

کسانوں کی غریبی دور کرنے اور مالی حالت سدھارنے کے لئے حسب ذیل باتیں ضروری ہیں:-

(۱) قدیم دقیانوسی طریقوں کو چھوڑ کر نئے طریقوں سے کاشت کرنا۔

(۲) نئی قسم کے بیج اور کھاد استعمال کرنا۔
(۳) عمدہ نسل کے گائے بیل رکھنا۔
(۴) غلہ کے ساتھ پھل اور ترکاریاں پیدا کرنا۔
(۵) فرصت کے وقت ایسی دستکاری کا کام کرنا جس کی بازار میں مانگ ہو۔ مثلاً ٹوکری بنانا۔ سوت کاتنا۔ ٹاٹ و چٹائیاں بنانا اور بہت سی چیزیں جن کے سکھانے کا انتظام گورنمنٹ کی طرف سے کیا جا رہا ہے۔ اگر لکھائی جائے تو ہر ایک پر ایک ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ مگر اس مضمون میں ہم صرف قارئین کو یہ سمجھانے کی کوشش کریں گے کہ پھلوں کی تجارت سے کسان کس طرح ترقی کر سکتا ہے۔

ہمارے ملک میں زمانۂ قدیم ہی سے مختلف قسم کے پھول پھل پیدا ہوتے ہیں آب و ہوا کی موافقت کی وجہ سے اُن کا ہندوستان میں گھر ہی ہو گیا ہے۔ دُنیا کا شاید ہی کوئی ایسا ملک ہو جہاں اتنی قسم کے پھل پیدا ہوتے ہوں مگر اُن کی پیداوار اتنی کم ہے کہ تجارت کے لحاظ سے وہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ملک میں وہ پھل جو کہ آسانی سے پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ کوئی خیال نہ ہونے کے باعث عموماً امریکہ، جاپان وغیرہ ملکوں سے آ کر مہنگے داموں فروخت ہوتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت کم لوگ اُن کا استعمال کر سکتے ہیں۔ شہر کے رہنے والے تو تھوڑے بہت موسمی پھل استعمال بھی کر لیتے ہیں مگر دیہاتیوں کو تو خواب میں بھی یہ پھل نہیں نصیب ہوتے اس کا خاص سبب یہ ہے کہ اول تو پھل ملتے ہی نہیں اور جو ملتے ہیں وہ اتنے مہنگے

ہوتے ہیں کہ اُن کو خرید کر کھانا عام لوگوں کے بس کے باہر بات ہے۔ دوسرے یہ کہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ اچھی تندرستی قائم رکھنے کے لئے پھلوں کا استعمال نہایت ضروری ہے۔ پھلوں میں قریب قریب وہ سب اجزا موجود ہیں جو صاف خون پیدا کرکے جسم اور دماغ کو تر و تازہ بناتے ہیں۔ وہ جسم میں قوت پیدا کرتے ہیں اور جسمانی اعصاب پر بغیر کوئی زور ڈالے آسانی سے ہضم ہو جاتے ہیں۔ موجودہ سائنس نے یہ بات ثابت کر دیا ہے کہ پھلوں میں وٹامن اتنی زیادہ مقدار میں رہتے ہیں جتنی مقدار میں غلّہ میں نہیں ہو سکتے یہی سبب ہے کہ مریض جب کمزور ہو جاتا ہے اُس وقت اطبّا اُسے صرف پھلوں کے عرق پلاتے ہیں۔ پھل ایسی چیزیں ہیں جو ہمارے یہاں پوجا پاٹھ میں نَنے ویدیہ کے کام میں آتا ہے تواریخ اور پرانوں میں پھلوں کا بہت ذکر ہے مگر افسوس کہ اس سب کے باوجود پھلوں کے لحاظ سے یہ ملک نہایت غریب سا ہے۔ عہد قدیم میں رشی منی پھلوں ہی کے بل پر بڑی بڑی ریاضت کرتے تھے۔ اُنھیں ایسے ایسے پھلوں کا علم تھا جنکو ایک بار کھا لینے کے بعد پھر چار چھ مہینے کچھ کھانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی۔ ہندو بادشاہوں کے عہد حکومت میں بھی ملک میں پھلوں کی افراط تھی مسلمانوں کے دور حکومت میں مغل بادشاہ پھلوں کے اتنے شوقین تھے کہ جب وہ اس ملک میں آئے تو اپنے ساتھ بہت سی قسموں کے پھل اور اُن کے پودے بھی لائے۔ جو اب اسی ملک کے ہو گئے۔ جہانگیر کو تو پھلوں سے اتنی رغبت تھی کہ وہ ہمیشہ کشمیر کے تازہ پھل کھایا کرتا تھا۔ مقام مسرت ہے کہ آجکل پھلوں کی ترقی اور اُن کی تجارت کی طرف توجہ دی جا رہی ہے۔ حکومت بھی آجکل کی پیداوار کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے اور

اپنے ماہرین کے ذریعہ مشورے بھی دے رہی ہے جس کے باعث پھلوں کی کھیتی کرنا یقیناً بمقابلہ پہلے کے بہت آسان ہوگیا ہے۔ ہمارے صوبے کی حکومت کے محکمہ گاؤں سدھار نے تو بہت سی اور بھی رعایات کردی ہیں۔ مثلاً سرکاری باغوں سے اچھی نسل کے پودے چوتھائی اور نصف دام میں دینا اور آگنا نزدوں و محکمہ زراعت کے ذریعے اُن کی دیکھ بھال کرانا۔ مگر ہمارے خیال میں تو پھلوں کی تجارت کی حقیقی ترقی اُس وقت ہوگی جب کسانوں کیلئے قانوناً ضروری ہوجائے کہ اگر وہ پانچ بیگھ زمین میں غلہ کی کاشت کرتے ہیں تو ایک بیگھ میں پھلوں کا باغ بھی لگائیں۔ اُن میں وہی پھل لگائے جائیں جن کے متعلق معلوم ہو کہ وہ اچھی نسل کے ہیں اور اُن کی بازار میں اچھی طرح کھپت ہوجائے گی۔ اگر یہ سب قاعدے قانوناً لازمی بنادئے جائیں تو یقیناً کسانوں کی حالت سدھر جائیگی اور ملک کی ترقی میں بھی اضافہ ہوجائیگا۔ ہم تو اس حد تک جانے کو تیار ہیں کہ کسان زمین کے جتنے حصے میں باغ لگائیں اُنکا پہلے پانچ سالوں کیلئے لگان نصف کردیا جائے۔ پانچ سال کے بعد لگان پھر پورا کیا جاسکے کیونکہ عموماً پانچ سال میں باغ تیار ہوجاتے ہیں۔ اس عرصے میں آم، کٹہل، امرود، شریفہ، نارنگی وغیرہ پیدا ہونے لگتے ہیں۔

پیداوار کے خیال سے بھی اگر دیکھا جائے تو کھیتی کرنے کے مقابلے میں باغ لگانے میں زیادہ فائدہ ہے لاگت بھی کم لگتی ہے اور محنت مزدوری بھی زیادہ نہیں لگتی اسکے علاوہ جب تک درخت تیار نہ ہوجائیں اُن میں ایک ربیع یا خریف کی فصل بھی پیدا کی جاسکتی ہے۔ پپیتا اور کیلا تو دوسرے ہی سال سے فصل دینے لگتے ہیں جو ایک ایکڑ میں ۱۰۰ سے ۲۰۰ روپے سال کی آمدنی

کرینگے۔ اس سلسلے میں شری نرائن دُتی چند ویاس کی لکھی ہوئی پھلوں کی کھیتی نامی کتاب کا ذکر کر دینا غیر ضروری نہ ہوگا۔ اسمیں پھلوں کا مفصل ذکر اُنکی پیداوار کے طریقے وغیرہ ملیں گے ہندی میں تو ابھی تک اس موضوع کی اس سے عمدہ اور مفید کتاب ابھی تک ہماری نظر سے نہیں گذری۔ جن لوگوں کو اسمیں زیادہ دلچسپی ہو وہ مذکورۂ بالا کتاب کا ضرور مطالعہ کریں۔ ہمارا خیال ہے کہ مذکورۂ بالا کتاب کی قیمت سے سینکڑوں گنا زیادہ فائدہ اُٹھا سکیں گے۔

یہ صحیح صحیح بتلانا کہ ملک کے کتنے حصوں میں پھل کی پیداوار ہوتی ہے مشکل ہے۔ لیکن حکومت کے ماہرین کا اندازہ سارے ملک میں ۲۵ لاکھ ایکڑ کے قریب ہے۔ اسمیں غالباً مدراس کا حصہ زیادہ ہے جہاں آم ڈھائی لاکھ ایکڑ زمین میں پیدا ہوتا ہے ۱½ لاکھ ایکڑ زمین میں کیلا اور ۲۲ ہزار ایکڑ میں سنترے وغیرہ۔ اسمیں غالباً ناریل کی پیداوار کی زمینیں شامل نہیں ہیں جو قدرتی طور پر سارے مدراس میں ہوتا ہے۔ یوں تو آم قریب قریب تمام ملک میں پیدا ہوتا ہے لیکن اس کی جتنی نسلیں مدراس، بنگال اور بہار میں ہیں اتنی ملک میں کہیں نہیں ہیں۔ لوگوں کا اندازہ ہے کہ بنگال اور مدراس میں کل ملا کر تقریباً ۲۰۰۰ قسم کے آم پیدا ہوتے ہیں کیلے اور ناریل کا تو کہنا ہی کیا ہے لیکن ان میں سے ابھی تک قریب قریب سو ڈیڑھ سو نسلوں کے ہی حصے کئے جا سکتے ہیں۔ پنجاب، کشمیر اور یوپی کی پہاڑیوں اور صوبہ سرحد میں انگور، سیب، ناشپاتی، انار، بادام، پستہ، کشمش، اخروٹ اور دیگر بہت سی نسلوں کے پھل قدرتی طور پر جنگل کی طرح پیدا ہوتے ہیں بشمول سی پی اور صوبہ بمبئی کے سنترے چیکو اور مسامبیوں کا ذکر ہی کیا۔ بہت سی قسموں کے پھلوں کے پودے امریکہ، انگلینڈ اور یورپ سے لاکر ہندوستان میں لگائے گئے ہیں مگر غیر ملکی نسل کے

پھل کامیابی کے ساتھ ہمالیہ کی پہاڑیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ میدانوں میں بھی بمبئی کا الفانزو تو لندن میں بھی جا کر بکتا ہے اور لوگوں کا خیال ہے کہ ناگپوری سنترے ٹکاؤ پن اور لذت میں اٹلی کے سنتروں کو مات کر دیتے ہیں۔

خوش قسمتی سے حکومت کی امپیریل کونسل آف اگریکلچر ریسرچ کا ایک شعبہ پھلوں کی پیداوار اور ان کی ترقی کی کوشش کر رہا ہے۔ انجام کار ملک میں کئی ریسرچ اسٹیشن بن گئے ہیں جو آم اور سنترہ۔ لیچی۔ انگور۔ کیلے اور بہت سے پھلوں کی پیداوار کے سلسلہ میں تحقیقات کر رہے ہیں اور ایسے طریقوں کی تلاش کر رہے ہیں جن سے پھلوں کی پیداوار تجارتی نقطۂ نظر سے اہم ہو جائے اسکے لئے سنہ ۱۹۲۸ء میں بٹھائے ہوئے رائل کمیشن آن اگریکلچر جس کے صدر موجودہ وائسرائے تھے اور سر جان رسل کی رپورٹ جو سنہ ۱۹۳۷ء میں شائع ہوئی تھی نہایت اہم ہے کیونکہ ان رپورٹوں میں پھلوں کے سلسلے میں متعدد باتیں بتلائی گئی ہیں۔ اگر ہم ملک میں پیدا ہونے والے ہر ایک پھل کا ذکر کریں تو ہمارا مضمون غیر ضروری طور پر لمبا ہو جائے گا چنانچہ ہم نے اختصار کے ساتھ ذکر کر دیا ہے۔

ملک میں پھلوں کے ٹکاؤ بنا کر رکھنے کا طریقہ نہ معلوم ہونے سے بہت سے پھل سڑ گل کر بیکار ہو جاتے ہیں اور ہم اُن سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا پاتے لہذا ملک میں پھلوں کو ڈبوں میں بند کر کے رکھنے کا حلقہ بالکل خالی پڑا ہوا ہے اگر ٹھیک وقت پر پھل توڑ کر قاعدے سے محفوظ کر کے رکھے جائیں تو اس سے بھی بہت سا پیسہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔

اس تجارت کی طرف مدراس۔ بمبئی اور حکومت پنجاب کی طرف سے اور کچھ تاجروں

نے بھی چھوٹی چھوٹی فیکٹریاں کھولی ہیں۔ پنجاب کے فروٹ ریسرچ اسٹیشن کی طرف سے نارنگی اور سنترے کے شربت وغیرہ تیار کئے جا رہے ہیں۔ بمبئی کی شہد کیننگ کمپنی کامیابی کے ساتھ عام پر زور کر رہی ہے۔ اتنا ہوتے ہوئے بھی ابھی ملک میں پھلوں کی اتنی پیداوار نہیں ہو رہی ہے کہ وہ دنیا کے تجارت کے نقشے میں آسکے۔

پھلوں کا باغ لگانا خود ایک فن ہے جو دیکھنے میں تو آسان معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت کافی مشکل ہے۔ چنانچہ پھلوں کا باغ لگانے کے پہلے مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

(۱) پھلوں کے پودے اور قسم کا ٹھیک ٹھیک انتخاب۔

(۲) وہ پھل کے پودے جو لگائے جارہے ہوں اس جگہ کی آب ہوا کے موافق ہیں یا نہیں؟

(۳) پودے لگانے کا ٹھیک ٹھیک فاصلہ یعنی اس بات کا خیال کرنا کہ اُن کی باڑھ کیسے ہوگی اسی حساب سے لگانا۔

(۴) باغ مربع سرزاویہ یا ششش زاویہ طریقے سے لگائے جائیں۔ ایک اور طریقہ بھی ہے جو پنج درختی کہلاتا ہے یعنی مربعہ کے وسط میں بھی ایک ایک درخت لگانا۔

(۵) کھاد اور آب پاشی کی صحیح صحیح واقفیت۔

(۶) اوزار اور مکانات۔

(۷) قریب کا بازار، پھلوں کی مانگ اور اُن کو بھیجنے کا راستہ و پیک کرنے کا طریقہ وغیرہ۔

چنانچہ باغ لگانے کے پہلے جو لوگ مذکورہ بالا باتوں کا خیال کر کے کام شروع کرینگے انھیں ضرور کامیابی ہوگی اسکے علاوہ اگر قلم باندھنا اور درخت بڑھانے کا طریقہ معلوم رہے تو اس سے اور بھی فائدہ ہوگا۔ درخت کی قلموں کی فروخت سے بھی باغ لگانیوالے کو اچھا فائدہ ہوگا۔ چنانچہ ہم لوگوں کے پاس زمینیں ہیں مگر وہ کسی وجہ سے کھیتی نہیں کر سکتے وہ اپنی زمینوں میں باغ ضرور لگائیں اس سے انھیں یقیناً فائدہ ہوگا۔ اگر دو بیگھے کا آم کا باغ لگایا جائے تو سات آٹھ سال کے بعد ہزار روپے سال کی آمدنی ہو جانا مشکل نہیں۔ ہمارے کتنے ہی زمینداروں کے پاس ایسے آم کے باغ ہیں جن سے انھیں دس پندرہ ہزار روپے سالانہ کی آمدنی ہو جاتی ہے۔ کسان کیلے اور پپیتے کی کھیتی سے جلد ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے کیونکہ کیلے اور پپیتے کی فصلیں دو سال کے اندر ہی پیدا ہونے لگتی ہیں۔ کسان کارکنوں کو مختلف قسم کی بیہودہ تحریکیں نہ کر کے پہلے ان کی مالی حالت سدھارنی چاہیئے۔ جب ان کی مالی حالت درست جائے گی اسوقت ان کی بہت سی برائیاں خود بخود دور ہو جائیں گی۔ اسلئے یہ بہت ضروری ہے کہ کسانوں کو باغ لگانے کی ترغیب دی جائے اس سے ان کی مالی حالت درست ہوگی۔ پھلوں کی تجارت کی ترقی تو ہوگی۔ ساتھ ہی ساتھ ملک کی حالت میں بھی ترقی ہوگی۔

(از رسالہ ہل)

قرض سے چھٹکارا

(از راجندر سنگھ مدرس - سیوال پور)

آج کارتک کی پورنماشی کا دن ہے۔ موضع کھیری گڈھ کا بچہ بچہ خوش دکھائی پڑتا ہے۔ لوگ جھنڈ کے جھنڈ گنگا اشنان کے لئے دوڑے چلے جا رہے ہیں لیکن بیچارے رامو کے گھر آج بھی اداسی چھائی ہے (رامو ایک غریب کسان ہے۔ اکیلا کمانے والا اور آٹھ دس آدمیوں کا خرچ ہے۔ ایک لڑکی جوان شادی بیاہ کرنے کے قابل ہے) غریب اپنی چوپال میں بیٹھا چلم پی رہا ہے۔ اتنے میں موہن آیا اور کہنے لگا۔

موہن۔ رامو، گنگا اشنان نا چلیو۔ آج تم بہت اداس ہو۔

رامو۔ ہاں بھیا! کیا کہوں!! بڑی بپتا کی کہانی ہے۔ پچاس روپیہ لالہ ساہو جی سے اُدھار لائے رہوں۔ اس کے تین سو دے چکنے پر بھی نبّو سے کچھ اوپر نکست ہیں۔ اُو نکھ کیر کھیت کھڑا کھڑا سوکھت ہے میل والا کہت ہے ہم نائے لیبا۔ گڑ بنا وے کیر ہمت نائے پڑت۔ کاہے سے ۲۵ سیر کیر بھاؤ ہے۔ اتنے میں تو مجوری نہ لوٹی۔ رام کلیا کا بیاکھ ما بیاہ بھی کرنا ہے۔ مہاجن نے نالش بھی کردی ہے۔ یہی سب سوچت

ہوں کہ کیسے نمپٹی کیسے نہ نمپٹی۔

موہن:۔ آخر بھیا راموا مصیبت میں پڑ ئیو نا۔ یہی سے پہلے کہت رہن کہ کا پریٹو سوسائٹی کا ممبر بن جاؤ تو مہاجن سے اُدھار نہ لیک پڑے۔ مُل تب ہمار کہنا نہ مانیو اور اپنی کا تونیں چھانٹی لگیو۔ اب پچھتات ہو۔

راموا:۔ اچھا بھائی جو بھوا سو بھوا۔ اب ہم کا کری۔ کوئی جتن بتاؤ کیسے اجت بچائی

موہن:۔ پرسوں بے پھیے کا ۲۵ تاریخ ہے تو سپروائزر صاحب ہمرے گاؤں ما جرور آئی ہیں اُن سے کہہ کے تم کا اپن سوسائٹی ما ممبر کرائی دیب۔ پھر تم کا طلبی میعاد پر قرجہ مل جائی۔ جیسپر مہاجن کے ہوواں بیاج بھی کم ہوئی۔ اگر تمری راے ہوئی تو سپروائزر صاحب تم کا کواپریٹو بنک سے بیل بدھیا اور بسارہ بھی خرید دے ہیں۔ یہ سوسائٹی ہتو ہمرے سب کے لابھ کے سلئے بنی ہی ہے۔

راموا:۔ یہ سب باتیں تم کیسے جانیو؟

موہن:۔ ارے بھائی! رات والے مدرسہ جہاں۔ ہم۔ بندرا۔ کلو۔ ہزاری سے ملے اور تمام گاؤں اور آنے گاؤں والے پڑھنے جات ہیں۔ وہاں تمام سرکاری کتابیں ہیں۔ جن میں ہمرے سب کے لابھ کیر ایسی ایسی ہزاروں باتیں لکھی ہیں۔

راموا:۔ تو کا تم پڑھ لیت ہو؟

موہن:۔ ہاں۔ ہاں ہم سب لوگ پڑھ بھی لیت ہیں اور لکھ بھی لیت ہیں تم تو آٹھ دس دن گیئو پھر بیٹھ رہیو۔ اب تک تم ہو پڑھئی لگتیو۔ تم تو کہیو ہم ۴۰۔ ۵۰ برس کیر منئی اب کا پڑھب۔ کہیں بوڑھ تو تا پڑھت ہیں۔

رامو:۔ اچھا بھیا ہم آج آئے سے پڑھئی چلپ اور بے سپھے کو سپروائزر صاحب جب آویں تو ہم کا آپن طرح ممبر کروا دیو۔ کیسو ہمری اجت لوبچے

موہن کی باتوں کا رامو پر بہت گہرا اثر پڑا۔ وہ اسی دن سے دل لگا کر پڑھنے لگا اور کواپریٹو جماعت کا ممبر بن گیا۔ اور اسی کے اصولوں پر کام کرنے لگا۔ اب تیسرا سال ہے کہ رامو کی حالت کچھ سے کچھ ہو گئی۔ اب وہ لکھ پڑھ بھی لیتا ہے۔ اور دوسروں کو پڑھنے کی تاکید کرتا ہے اور کواپریٹو جماعت کا سرپنچ بھی ہے۔

گڑ اور یوپی کے کسان

(از امیر احمد انصاری لاہرپوری)

دنیا کے ہر حصہ سے ہندوستان میں گنا زیادہ پیدا ہوتا ہے اور ہندوستان میں نصف سے زیادہ صرف یوپی گنا پیدا کرتا ہے۔ ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جس چیز کی ہمارے صوبہ میں اس قدر افراط ہو ہم اس کو صحیح مصرف میں نہ لا سکنے کے باعث پریشانی میں مبتلا ہیں۔ ایک روپیہ کا ۱۴ سیر تک گڑ بک رہا ہے۔ اگر یہ کسان کی تباہی نہیں تو کیا ہے؟ تو پھر ہندوستان کا کیا پوچھنا جس میں نوے فیصدی سے زیادہ کسان ہیں۔

ہمارے کسان بھائیوں کو چاہیے کہ وہ ایسا گڑ تیار کریں جو شکر سے کم سے ڈیوڑھی قیمت لا سکے۔ بہت سے بھائی اس کو پڑھ کر تعجب سے کہیں گے کہ کہیں ایسا گڑ بھی بن سکتا ہے کہ جو اگر شکر ۴ سیر فی روپیہ ہے تو وہ ۶ سیر فی روپیہ بک سکے۔ لیکن ہم ان کو یقین دلاتے ہیں کہ گڑ مثل برفی کے بن سکتا ہے بشرطیکہ اُس کو صحیح طریقہ سے بنایا جاوے۔ گنے سے ۶۰ سے ۷۰ فیصدی تک رس نکل سکتا ہے۔ اگر قاعدہ سے نکالا جائے۔ بھٹی کا تاؤ قابو میں رہ سکتا ہے۔ اور ایندھن بھی کم خرچ ہوگا۔ اگر ترقی یافتہ بھٹی سے کام کیا جاوے۔ لیکن یہ سب

سے کیسے ہو؛ تعلیم کی کمی ستیاناس کر رہی ہے۔ پھر بھی آنکھیں نہیں کھلتی ہیں ؎

بے علم بھی ہم لوگ ہیں غفلت بھی ہے طاری
افسوس کہ اندھے بھی ہیں اور سو بھی رہے ہیں

گوکہ ہماری سرکار نے کسانوں کی تعلیم کا محکمہ ہی الگ قائم کر دیا ہے اور ہزاروں اسکول جن کو اڈلٹ اسکول کہا جاتا ہے گاؤں گاؤں میں قائم کر دیے ہیں۔ جن میں مفت تعلیم دی جاتی ہے۔ پھر بھی ہمارے کسان بھائی تعلیم سے ایسے بھاگتے ہیں جیسے لاحول سے شیطان۔

مجھے آج صرف گڑ کے متعلق چند مفید باتیں بتانا ہیں کہ گڑ کیسے بہت صاف اور عمدہ بن سکتا ہے۔ جس سے کسان کی زندگی بہترین بن سکتی ہے

۱- پرانے طریقہ کے کولھو کے بجائے نئے ترقی یافتہ طریقہ کے کولھو مثلاً سلطان کولھو وغیرہ استعمال کئے جاویں جو ۶۰ سے ۷۰ فیصدی تک رس نکالتے ہیں جب کہ پرانے ٹائپ کا کولھو ۵۰ سے ۵۵ فیصدی ہی تک رس نکالتا ہے اور ۱۵ فیصدی رس بیکار جاتا ہے۔

۲- زمین میں گڈھا کھود کر بھٹی کا کام لینے کے بجائے نئے ترقی یافتہ طریقہ سے اینٹوں کی بھٹی بنائی جاوے جس میں ایندھن بھی کم صرف ہوگا اور وقت کی بھی بچت ہوگی۔ تاؤ بھی قابو میں رہے گا۔ جلنے کا اندیشہ جاتا رہے گا۔

۴۔ رس مختلف مسالوں مثلاً کاربن یا تخم ڈیولا (Deola Seed) یا سکلائی (Sukla) سے صاف کیا جاوے۔ کیونکہ ان چیزوں سے صاف کرنے کے بعد رس مثل پانی کے سفید ہو جاتا ہے۔ اور اُس کا گڑ بہت صاف تیار ہوتا ہے۔

کاربن کی ایک قسم جس کو ڈی کال (Decal) کہتے ہیں۔ امپیریل انسٹیٹیوٹ آف شوگر ٹیکنالوجی کانپور نے بنایا ہے جو کہ رس صاف کرنے میں بہت کامیاب ہوا۔ ایک مرتبہ استعمال کیا ہوا کاربن دوبارہ صاف پانی سے دھو کر دو تین گھنٹہ ابال کر پھر استعمال کے قابل بن سکتا ہے لیکن چار مرتبہ یہ عمل کرنے کے بعد پھر بیکار ہو جاتا ہے۔ کاربن پر زیادہ سے زیادہ ۰ر پونڈ کی لاگت آتی ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے۔ ایسی چیز سے ہمارے کسان بھائی کیوں نہیں نفع حاصل کرتے ہ مشکل تو یہ ہے کہ اُن کی زمیندار لوگ صحیح رہنمائی نہیں کرتے ورنہ یہ دقتیں جلد دور ہو جائیں

حکومت یو۔ پی نے کانپور میں گڑ کو ترقی دینے کا محکمہ گڑ ڈیولپمنٹ کے نام سے قائم کیا ہے۔ آپ

اسسٹنٹ گڑ ڈیولپمنٹ افیسر یو۔ پی کانپور کے پتہ سے خط و کتابت کر کے عمدہ گڑ تیار کرنے کی ترکیبیں اور اس کے مسالے حاصل کر سکتے ہیں اور اگر چاہیں تو وہاں سے عمدہ گڑ بنانا سیکھ بھی سکتے ہیں۔ آپ

اگر ان ہدایات پر پورے طور پر عمل کریں تو گڑ ایسا تیار کر سکتے ہیں کہ جیسے بگلے کا پر۔ یا برفی کی ڈلی۔ جب تک ایسا بنا ہوا گڑ آپ اپنی آنکھ سے دیکھ نہ لیں اس کا یقین آنا مشکل ہے، دوسری ترکیب گنے کی کاشت سے نفع اٹھانے کی یہ ہے کہ گڑ کے بجائے راب بنائیے اور ہاتھ سے چلانے والی شکر کی مشین اِسی اوپر ذکر کئے ہوئے محکمہ کی معرفت حسب ضرورت پچاس روپیہ یا سَو یا دو سَو روپیہ قیمت کی خرید کر شکر ہی تیار کیجئے۔ جتنے رس سے ایک من گڑ تیار ہوتا ہے اتنے رس سے کم سے کم بیس سیر شکر تیار ہوگی۔ ایک من گڑ تو ۲؎ کو بکتا ہے۔ لیکن شکر کم سے کم تین چار روپیہ کو بکے گی۔ کسان کو گڑ کے سستے ہونے سے گھبرانا نہ چاہیے۔ کھیتی کا قصور نہیں ہے۔ اُن کی بے خبری کا قصور ہے جن مواضعات میں گنّے کی کاشت زیادہ ہے۔ ان لوگوں کو چاہیے کہ کوآپریٹیو سوسائٹی اپنے یہاں کھولیں اور مشترکہ سرمایہ سے چار پانچسو روپیہ کی ہاتھ سے چلنے والی شکر بنانے کی مشین خریدیں۔ یہ مشین دن میں تیس چالیس من شکر تیار کر دیگی۔ کسان اور ان کے زمیندار آنکھیں کھولیں اور زمانہ کے ساتھ چلیں۔ ورنہ کسان اور زمیندار آخر میں دونوں تباہ ہوں گے۔

بھلا کر بھلا ہوگا

(تبت کا ایک واقعہ)

از:- ابو یوسف صاحب شادانی منشی فاضل بھوپال

سندر داس نامی ایک شخص نے ایک مرتبہ اپنے رفیق کے ساتھ تبت کا سفر کیا چونکہ تبت بہت زیادہ سرد ملک ہے اس لیے جب یہ دونوں ساتھی سردی سے سخت پریشان ہوئے تو انھوں نے پناہ کی جگہ تلاش کرنا چاہی تھوڑی دیر بعد کچھ فاصلے پر ایک گاؤں نظر آیا۔ یہ دونوں اُسکی طرف چلے ابھی تھوڑا ہی راستہ طے ہوا تھا کہ انکو ایک آدمی سردی سے بالکل ٹھٹھرا ہوا راستے میں پڑا ملا، جو بالکل قریب مرگ تھا۔ سندر داس نے اسکی مدد کرنا چاہی لیکن اسکے ساتھی نے کہا کہ "میاں! کوئی بات بھی ہے! خود تو سردی سے اکڑ رہے ہیں، چلا نہیں جاتا۔ ایسے میں تم اسکی کیا مدد کروگے؟ تم بس چلو، چھوڑو، یہ سب مردہی ہے" لیکن سندر داس نے اپنے دوست کی باتوں پر کوئی توجہ نہ کی اور اسکی مدد کو تیار ہوگیا جب رفیق سفر نے یہ دیکھا کہ میری بات کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ تو وہ سندر داس کو چھوڑ کر آگے چل دیا۔

سندر داس نے اس ٹھٹھرے ہوئے آدمی کو اپنے کندھے پر لادا اور چلنا شروع کردیا، راستہ چونکہ برفانی تھا اسلیے اسکو چلنے میں زیادہ محنت کرنی پڑی اب خدا کی شان دیکھو کہ سندر داس کی اس نیکی ہی نے اُس کو موت کے پنجے سے چھڑا لیا مانی ہوئی بات ہے کہ محنت کا کوئی سخت کام کرکے انسان کے بدن میں گرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ اکڑے ہوئے آدمی کو لاد کر چلنے میں سندر داس کے بدن میں خاصی گرمی پیدا ہوگئی اور اس کی گرمی سے اس ٹھٹھرے ہوئے آدمی میں بھی جو سندر کے کندھے پر پڑا تھا گرمی آگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بیہوش ٹھٹھرا ہوا آدمی ہوش میں آگیا پھر یہ دونوں صحیح سلامت گاؤں میں پہنچ گئے۔

لیکن راستہ میں سندر داس نے کیا دیکھا کہ اُس کا ساتھی انتہائی سردی کی وجہ سے ٹھٹھر کر مرا پڑا ہے
سچ ہے خدا اسی کی مدد فرماتا ہے جو اُس کے بندوں کی مدد اور خدمت کرتا ہے۔

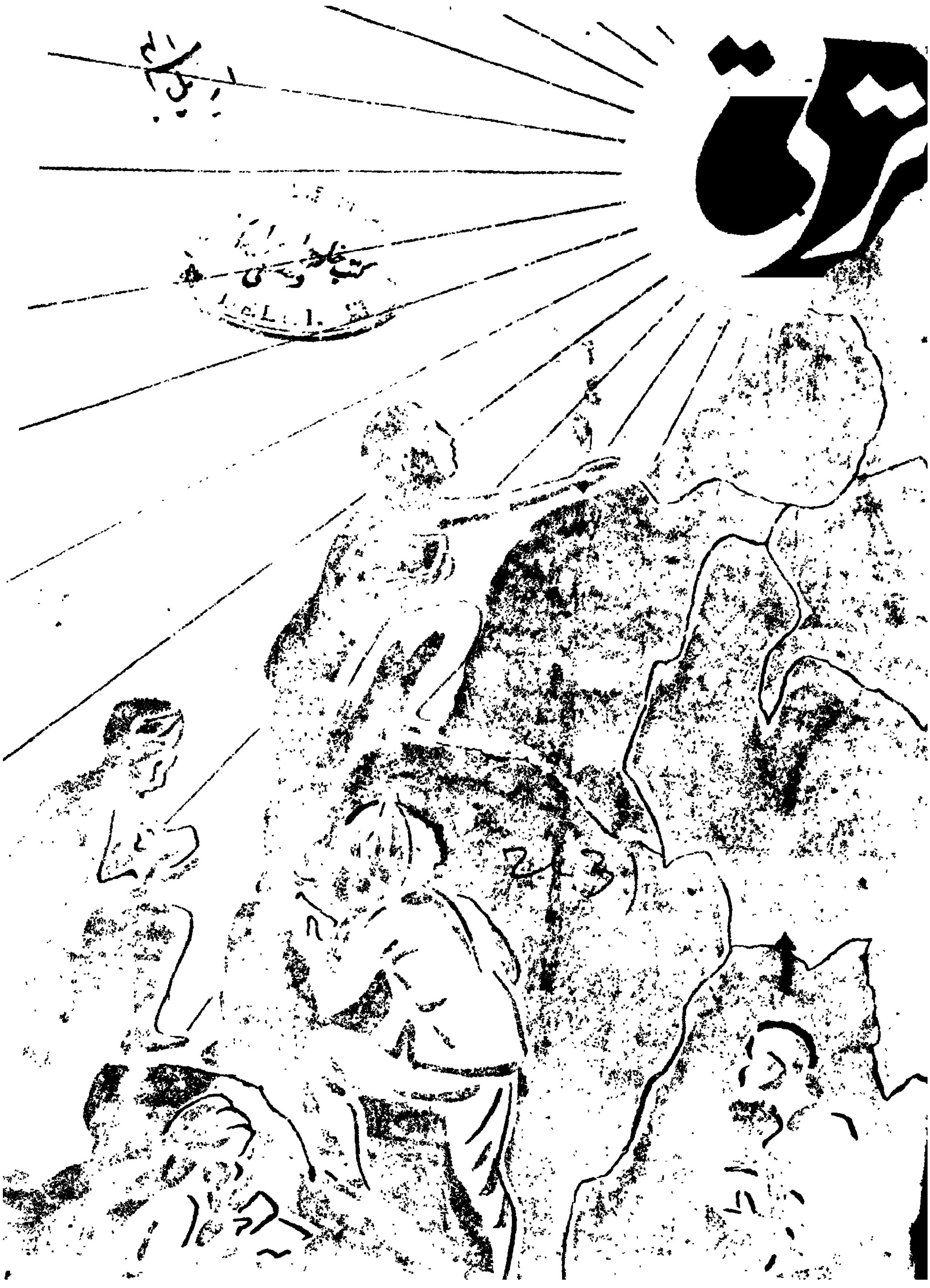
(ایک انگریزی نظم کا ترجمہ) (غنچہ بجنور)

Regd. No. A-623

از نسیم انہونوی

قیمت دو روپیہ

The cover printed at the [illegible] Press [illegible], [illegible] Road, Lucknow.



یو۔ پی گورنمنٹ کا منظور کردہ

کم پڑھے لوگوں کے لئے رسالہ

ترقی لکھنؤ

قیمت سالانہ دو روپیہ عہ

قیمت فی پرچہ ۳ر

ایڈیٹر شفیق شاہ پوری

جلد ۲ | ماہ اپریل سنہ ۱۹۴۱ء | نمبر ۳

فہرست مضامین

عرض حال

فرقہ وارانہ لڑائی

از انیڈیٹر

جس گھر کے لوگوں میں میل ملاپ نہیں ہوتا وہ لوگ کبھی سکھی نہیں رہتے۔ اسی طرح جس گاؤں کے لوگوں میں ایکا اور پریم نہیں ہوتا وہ لڑائی جھگڑے میں تباہ رہتا ہے۔ اسی طرح جن شہروں میں فرقہ وارانہ لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں وہ بستے نہیں، دھیرے دھیرے اُجڑ جاتے ہیں اور جس ملک میں سارے ہی لوگ فرقہ پرستی کے وہم میں مبتلا ہوں وہاں سکھ کیسے ہوسکتا ہے۔ ہم سب لوگ کہتے تو یہ ہیں کہ ہم کو اپنے دیش سے بڑا پریم ہے۔ لیکن یہ پریم یہاں کے دریاؤں، پہاڑوں، باغوں اور کھیتوں کے ساتھ ہو تو ہو۔ آپس میں انسانوں کے ساتھ تو نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو ملک کے کونے کونے میں ہندوستان کے رہنے والے کیوں بات بات پر لڑ پڑتے یہ سُن کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ احمد آباد، کان پور، ڈھاکہ۔ کلکتہ اور بمبئی کے لوگ ہندو مسلمان کی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ اس لڑائی سے کیا ملے گا؟ کس بات پر لڑائی ہے صرف خیالی اور وہمی باتوں پر۔ بڑے لوگ کہہ گئے ہیں کہ لڑائی تو صرف تین

باتوں پر لڑی جاتی ہے۔ زنؔ (استری) زمینؔ۔ زرؔ (روپیہ پیسہ) ان باتوں کے علاوہ اور باتوں پر لڑنا جھگڑنا پاگل پن ہے۔

ان شہروں میں فرقہ وارانہ لڑائی لڑنے والے سوچیں کہ اوّل تو یہ لڑائی لڑکر کبھی جیتی نہیں جا سکتی اور پھر اس کا کچھ پھل نہیں مل سکتا۔ یہ لڑائی نہ روپیہ پر ہوتی ہے نہ زمین پر اور نہ استری کے لئے۔ پھر اس لڑائی سے ملے گا کیا۔ صرف ہمیشہ کی دشمنی، جان و مال کا نقصان، ملک کی بربادی اور حکومت کے لئے روک تھام کا درد سر اس قسم کی لڑائیاں شخصی لڑائیوں سے شروع ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک ہندو خوانچہ والے سے ایک مسلمان کی تکرار ہو گئی۔ معاملہ نے طول کھینچا اور دونوں طرف ہندو مسلمان حمایت پر آمادہ ہو گئے اور معاملہ ہندو مسلمان بن گیا، کچھ لوگوں نے مبالغہ کرکے مشہور کیا کہ فلاں محلہ میں ہندوؤں نے مسلمانوں کو مارا اور فلاں محلہ میں مسلمانوں نے ہندوؤں کو مارا۔ بس پھر کیا تھا ان افواہوں پر یقین کرکے لوگ پاگلوں کی طرح لڑنے لگے اور دونوں طرف کے غنڈوں کی بن آئی انھوں نے فساد زدہ علاقہ میں لوٹ مار کرلی۔ کانپور میں دس بارہ سال پہلے ایک معمولی سی بات پر فساد ہوا، غنڈوں نے اس آگ کو اس قدر بھڑکایا کہ سارے شہر سے دو ایک دن کے لئے امن و امان اُٹھ گیا۔ ہزاروں آدمیوں کی جان و مال پر بن آئی۔ جس بے کسی میں وہاں کے ہندو مسلمان بھوکے پیاسے مرے ہیں اسکا ذکر سُن کر دل دہلنے لگتا ہے۔ کانپور کا فسانہ قیامت کا نمونہ تھا۔

اس ملک کے ہندو مسلمان صرف وہی باتوں پر لڑتے ہیں۔ کہیں تو مسلمان اس بات سے ناخوش ہے کہ اسلامی جلوس ہندوؤں نے اپنے محلہ سے کیوں نہ نکلنے دیا۔ کہیں ہندو کو یہ ضد ہے کہ نگر کیرتن (جلوس گشتی) مسجد کی بغل والی سڑک سے کیوں نہ گزرنے دیا گیا۔ ذرا ٹھنڈے دل سے دونوں سوچیں کہ اگر اسلامی جلوس ہندوؤں کے محلہ سے گزر جاتا تو مسلمانوں کو کیا ملتا اور ہندوؤں سے کیا چھن جاتا۔ اور اگر نگر کیرتن کا جلوس مسجد کی بغل والی سڑک سے گزر ہی جاتا تو مسلمانوں کا کیا نقصان تھا اور نکل جانے پر ہندوؤں کو کیا مل جاتا۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے ذہنوں سے ملنے اور جیتنے کا خیال تک نکل گیا ہے ہم میں غلامانہ ذہنیت اس قدر پیدا ہو چکی ہے کہ ہم سڑک پر جلوس نکلنے کا حق کو مل جانے کو کچھ ملنا خیال کرتے ہیں اور بات کی جیت کو جیت سمجھتے ہیں ہم نے اپنے حاصل کرنے اور جیتنے کے مقصد کو اس قدر ادنیٰ قرار دے لیا ہے کہ صرف ان ہی چھوٹی چیزوں کو حاصل کرنے اور ملنے کی دھن میں لگے ہیں۔ ایسا ملک اپنے حقیقی حقوق کے لئے کیا لڑے گا اور ملک کی ترقی اور خوش حالی کے لئے کیا حاصل کرے گا۔ ہم اس طور پر لڑائیاں لڑ کر اپنے سب سے بڑے مقصد کو ہاتھ سے کھو رہے ہیں۔ اگر ہم نے غلامانہ ذہنیت جلد نہ بدلی اور بچّوں کی طرح ان چھوٹے مقصدوں پر لڑتے رہے تو ہم بڑی نعمتوں سے محروم کر دئے جائیں گے اور اس سے زیادہ بدتر زندگی بسر کرنا پڑے گی، خدا کے لئے سوچو اور اپنے خیال

اور اپنی نظر بلند کرو اور ہندو مسلمان، عیسائی پارسی کی تفریق پیدا نہ کرو، مولانا حالی مرحوم نے اس خیال کو بڑی خوبصورتی سے یوں نظم کیا ہے۔

تم اگر چاہتے ہو ملک کی خیر ۔۔۔ نہ کسی ہم وطن کو سمجھو غیر

ہم میں اب تک وطنیت پیدا نہیں ہوئی۔ ہم صرف مذہبی اختلاف کی بنا پر لڑ کر اپنا وقت اور جان و مال برباد کر رہے ہیں۔ دنیا کے اور ملکوں میں بھی مختلف مذہبوں کے لوگ بستے ہیں لیکن وہاں یہ فرقہ وارانہ لڑائیاں نہیں ہوتیں۔ مصر میں عیسائی اور مسلمان رہتے ہیں اور ملک کے نفع کے لئے مل جل کر کوشش کرتے ہیں اور دونوں مصری کہلانے پر فخر کرتے ہیں لیکن بدقسمتی سے اس ملک کے باشندے ہندوستانی کہلانے پر فخر نہیں کرتے جس ملک کے لوگوں کو اپنی مادر وطن پر فخر نہ ہو وہ ایک مرکز پر کیسے جمع ہوں گے اور ملک کے لئے فلاح و بہبود کے راستے کیسے پیدا کر سکیں گے۔ اگر یہ فرقہ وارانہ کشمکش زیادہ بڑھی تو وہ دن دور نہیں کہ ملک میں فرقہ وارانہ نفرت اس قدر بڑھ جائے گی کہ ریلوے اسٹیشنوں کے ہندو پان اور مسلمان پان کی طرح قدم قدم پر ہندو کپڑا، مسلمان کپڑا، ہندو ترکاری اور مسلمان ترکاری، ہندو مدرسہ اور مسلمان مدرسہ کی آوازیں آئیں گی اور مسلمان مسلمانوں کے مل کا کپڑا ڈھونڈے گا اور ہندو ہندو کے ہاتھ کی دھنکی روئی تلاش کرے گا اور اس کشمکش کی حد یہاں تک ہوگی کہ انتظام کے لئے مسلمانوں کی کثیر آبادی میں مسلمان حاکم رکھنا پڑیں گے اور ہندوؤں کی کثیر آبادی میں ہندو حکام اور

حکومت کے لئے انتظام آسان نہ رہے گا۔ اس قسم کی فرقہ وارانہ لڑائیاں شروع میں تو حکومت کے ہاتھ مضبوط کرتی ہیں لیکن جب یہ فرقہ وارانہ ذہنیت بالکل عام ہو جاتی ہے تو حکومت کے لئے ایک وبال ہوتا ہے۔ حکومت ان فرقہ وارانہ فسادات کو لاٹھی چارج اور گولی سے ٹھنڈا کرتی ہے مقامی طور پر تو فساد دب جاتا ہے لیکن جب اس خونریزی کی خبر اور شہروں میں پہونچتی ہے کہ اس فساد میں اس قدر آدمی جان سے مارے گئے تو وہاں بھی جذبات بھڑک اُٹھتے ہیں۔ اور فتنہ فساد پیدا ہوتا ہے۔ گولی چلا کر فساد کی آگ بجھانا اچھا انتظام نہیں کہا جا سکتا۔ اگر حکومت اُن شہروں میں امن و امان کے قیام کی محلہ کمیٹیاں بنا دے تو شاید گولی چلانے کی نوبت نہ آئے۔ اور وہ لوگ معاملہ کو ابتدا ہی میں طے کرا دیں۔

ہمارے ملک کی بہتری کی سب کوششیں ایک طرف اور یہاں کے باشندوں کا اتحاد ایک طرف۔ اگر ملک میں ہندو مسلم، عیسائی پارسی متحد نہ ہو سکے تو جس قدر کوششیں ہندوستان کو ترقی دینے کے لئے کی جائیں گی وہ سب بیکار ثابت ہوں گی۔ فرقہ وارانہ لڑائیوں کی آگ کو سب مل کر بجھاؤ، ورنہ ممکن ہے کہ اس کی لپیٹیں تم تک بھی آئیں اور تم کو بھی جلا کر خاک کر دیں۔

علمی پہیلیاں

از جناب سید احمد حسین صاحب بی۔ اے

جعلی نوٹ کی کراری چپت

ایک روز افضال نامی ایک لڑکا دس روپیہ کا نوٹ لے کر ایک جوتے والے کی دوکان پر جوتا خریدنے گیا۔ دو چار جوڑے دیکھ کر اُس نے ایک جوڑا خریدا جس کی قیمت چار روپیہ تھی۔ جیب سے نوٹ نکال کر دوکاندار کو دیا۔ جوتے والے کے پاس نوٹ کے روپئے اُس وقت موجود نہ تھے لہذا وہ اپنے پڑوسی دوکاندار سے جاکر نوٹ کے روپئے لے آیا اور افضال چھ روپئے اور جوتہ لیکر چل دیا۔ لیکن ابھی دس ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ پڑوسی دوکاندار وہی نوٹ لئے ہوئے جوتے والے کے پاس واپس آیا اور نوٹ دکھا کر کہنے لگا۔ بھائی صاحب یہ نوٹ جعلی ہے۔ براہ مہربانی اس کو واپس لے لیجئے۔ جوتے والے نے جو بغور دیکھا تو واقعی نوٹ نقلی تھا، دھک سے ہوگیا اور دل میں کہنے لگا کہ آج کراری چپت لگی، مجبوراً نوٹ واپس لینا پڑا۔ اور پڑوسی کو دس روپے دینا پڑے۔ نوٹ بیکار ثابت ہوا لہذا اُس نے نوٹ کو پھاڑ کر

پھینک دیا۔ بتاؤ جوتے والے کو کتنے روپئے کا نقصان ہوا ؟

(۲) سمجھ بوجھ کی باتیں

کلیم (اپنے ساتھیوں سے) آؤ تم لوگوں کو ایک کھیل بتاویں، دیکھیں کون کھیل سکتا ہے۔ دیکھو اس نقشہ میں سات خانے ہیں۔ ایک طرف تین خانوں میں ہم پیسے رکھتے ہیں دوسری طرف اکنیاں رکھے دیتے ہیں اور بیچ کا خانہ خالی ہے اب کرنا یہ ہے کہ پیسے اکنیوں کی جگہ پر چلے آویں اور اکنیاں پیسوں کی جگہ لیکن شرط یہ ہے کہ ڈرافٹ کی طرح ایک ایک چیز ایک وقت میں چلی جاوے گی۔ اگر آگے کا خانہ خالی ہے تب اس خانے میں چال چل سکتے ہیں۔ یا اگر تیسرا خانہ خالی ہے تو ایک گوٹ کو پھاند بھی سکتے ہیں لیکن پیسہ پیسے کو یا اکنی اکنی کو نہیں پھاند سکتی۔ اور چال الٹی طرف نہیں چل سکتے یعنی پیچھے کو واپس نہیں ہو سکتے۔

ہر ایک لڑکے نے باری باری کوشش کی مگر سب ناکامیاب رہے۔ تب کلیم نے خود اس کھیل کو ۱۵ چالوں میں چل کر دکھا دیا۔ بتاؤ وہ چالیں کیا کیا ہیں ؟

نقشہ

پیسہ	پیسہ	پیسہ		اکنی	اکنی	اکنی

نوٹ:۔ ان دونوں پہیلیوں کے جوابات آئندہ ماہ (مئی) میں شائع ہوں گے۔

کاربن

(از جناب مفتاح الدین صاحب ظفر بی۔ ایس۔ سی، ایل۔ ٹی)

تم سے کوئی پوچھے کہ تم نے کاربن دیکھا ہے؟ شاید جواب دوگے نہیں۔ لیکن اگر یہ پوچھا جائے کہ کوئلہ دیکھا ہے؟ اس کا جواب فوراً دوگے۔ ہاں۔ ہم روزانہ لکڑیاں جلاتے ہیں جن کے جلنے سے کوئلہ بنتا ہے۔ کوئلہ زمین کے اندر سے کان کھود کر بھی نکالا جاتا ہے جسے پتھر کا کوئلہ کہتے ہیں۔ یہ کوئلہ بھی لکڑی ہی سے بنتا ہے اور وہ اس طرح کہ زمین کے اندر بڑے بڑے درخت دب گئے اور اندر ہی اندر زمین کی گرمی پا کر ڈھیرے ڈھیرے جل کر کوئلہ بن گئے۔ پھر انسان نے پتہ لگا کر جہاں جہاں اس قسم کا کوئلہ تھا زمین کھود کر کانیں بنالیں اور کوئلہ نکال لیا۔ چنانچہ ہمارے ہندوستان میں بھی کئی جگہ کوئلہ کی کانیں ہیں۔ خاص طور پر بنگال میں۔ جمشید پور میں کوئلہ بہت نکلتا ہے۔ وہیں لوہا بھی نکلتا ہے۔ اسی وجہ سے جمشید پور میں لوہے کے بڑے بڑے کارخانے ہیں۔

کوئلہ کا خاص جزء "کاربن" نامی ایک چیز ہے۔ کوئلہ کے اندر تقریباً ۸۰ فی صدی کاربن ہوتا ہے۔ جب کوئلہ جلتا ہے تو یہی کاربن جل کر ہوا کی

آکسیجن سے مل جاتا ہے۔ تم جانتے ہو کہ آکسیجن کیا ہے؟ ہوا کے اندر دو خاص گیسیں (یا ہوائیں) شامل ہوتی ہیں۔ ایک تو آکسیجن اور دوسری نائٹروجن۔ جب ہم سانس لیتے تو آکسیجن ہمارے پھیپھڑوں میں پہونچ کر خون صاف کرتی ہے اور اس طرح گندی ہوکر باہر نکل آتی ہے۔ دنیا میں جتنے جاندار ہیں ان سب کو سانس لینے کے لئے آکسیجن کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر ہوا میں آکسیجن نہ ہو تو انسان، حیوان، چرند پرند سب مر جاتے۔ یہی نہیں بلکہ جب ہم کوئی چیز جلاتے ہیں تو اسے بھی بغیر آکسیجن کی مدد کے نہیں جلا سکتے۔ یعنی اگر ہم یہ چاہیں کہ کسی ایسی ہوا میں لکڑی جلائیں جس میں آکسیجن نہ ہو تو یہ بات غیر ممکن ہے۔ غرض جب کوئلہ جلتا ہے تو اس کا کاربن آکسیجن سے مل جاتا ہے اور ایک زہریلی گیس بن جاتی ہے جسے کاربونک ایسڈ گیس کہتے ہیں۔ یہ وہی زہریلی یا گندی ہوا ہے جو ہم سانس کے ذریعہ سے باہر نکالتے ہیں۔ اگر ہوا کے اندر کاربونک ایسڈ گیس زیادہ ہو تو انسان کو سانس لینا دوبھر ہو جائے اور اگر ہوا بہت ہی گندی ہو تو جان تک کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گندی ہوا میں اُٹھنے بیٹھنے کو سب منع کرتے ہیں اور اچھی صحت کے واسطے صاف اور تازہ ہوا میں رہنا بہت ہی ضروری ہے۔

کاربن کوئلہ ہی میں نہیں ہوتا بلکہ اور چیزوں میں بھی ہوتا ہے بلکہ یوں

کہنا چاہیئے کہ کاربن کوئلہ ہی کی شکل میں نہیں ہوتا بلکہ اور شکلوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ ہڈی کو جلا کر جو کوئلہ بنتا ہے وہ بھی کاربن ہی ہے۔ کالے سرے کی پنسل جس سے لکھتے ہیں وہ بھی کاربن ہی ہے۔ سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ ہیرا بھی کاربن ہی ہوتا ہے یعنی ہیرے میں اور کوئلہ کے ٹکڑے میں کوئی فرق نہیں۔ مگر پھر بھی ہیرا بہت ہی قیمتی چیز ہے اور کوئلہ معمولی چیز۔ ہیرے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی بہت قیمت کا ہوتا ہے لیکن کوئلہ اس کے مقابلہ میں بالکل بے قیمت۔ ہے نا تعجب کی بات۔ خدا کی کاریگری کی داد دینا پڑتی ہے۔ لکڑی کے ٹکڑے کو زمین کے اندر دبا کر کوئلہ بنا دے اور پھر کوئلہ کو دبا کر ہیرا بنا دے۔ تم پوچھ سکتے ہو کہ آخر کیسے معلوم ہوا کہ ہیرا اور کوئلہ ایک ہی چیز ہیں۔ یہ اس طرح معلوم ہوا کہ کوئلہ کو جلانے سے کاربونک ایسڈ گیس بنتی ہیں اور ہیرے کو بھی جلانے سے یہی گیس بنتی ہے۔ اور بس۔ اس طرح معلوم ہو گیا کہ کوئلہ میں بھی کاربن ہے اور ہیرے میں بھی۔

کاربن ہمارے جسم کے واسطے بہت ضروری ہے۔ ہماری ہڈیوں کے واسطے۔ گوشت کے واسطے کاربن کا ہونا ضروری بات ہے۔ اگر ہم کو کاربن مناسب مقدار میں نہ ملے تو تندرستی ٹھیک نہ رہے۔

لیکن یہ کاربن ہم کس طرح کے اندر پہونچاتے ہیں؟ یوں ہی نہیں کہ

کوئلہ کھالیا۔ نہیں بلکہ جتنی سبزی، ترکاری، آٹا، دال وغیرہ ہم کھاتے ہیں۔ ان سب میں کاربن موجود ہوتا ہے اور وہ ہمارے جسم کے اندر پہونچ کر اپنا مناسب کام کرتا ہے اور اس طرح نشو و نما میں مدد دیتا ہے جو کاربن فضول ہوتا ہے وہ خون کے ساتھ پھیپھڑوں میں پہونچ جاتا ہے۔ اور جب ہم سانس لیتے ہیں تو یہی کاربن آکسیجن کے ساتھ مل کر کاربونک ایسڈ گیس میں تبدیل ہو جاتا ہے اور باہر نکل آتا ہے۔

ایک بات اور حیرت انگیز تم کو بتا دیں۔ اگر انسان اور حیوان آکسیجن کو استعمال ہی کرتے رہتے اور کاربونک ایسڈ گیس کو سانس سے باہر ہی نکالتے رہتے تو ایک دن ایسا آسکتا تھا کہ دنیا میں اچھی ہوا ہی نہیں رہتی اور سب جاندار مر جاتے۔ اس مصیبت سے بچانے کے لئے خدا نے بڑی اچھی ترکیب کی۔ وہ یہ کہ جو چیز انسان کے لئے زہر بنائی وہ پودوں اور پیڑوں کے لئے خوراک بنا دی۔ اس طرح جو کاربونک ایسڈ گیس انسان اور حیوان سانس کے ذریعہ باہر نکالتے رہتے ہیں وہ پودے سانس لے کر اپنے اندر جذب کرتے رہتے ہیں اور اس کے بدلے میں آکسیجن نکالتے رہتے ہیں یعنی جو چیز پیڑوں اور پودوں کے لئے مفید ہے وہ انسان اور حیوان کے لئے مضر، اور جو ان کے لئے مفید وہ پیڑ اور پودوں کیلئے مضر۔ اس طرح دنیا میں کاربونک ایسڈ گیس اور آکسیجن کا

چکر سا چلتا رہتا ہے یعنی انسان اور حیوان آکسیجن لیتے ہیں اور کاربونک ایسڈ گیس دیتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں پیڑ پودے کاربونک ایسڈ گیس لیتے ہیں اور آکسیجن دیتے ہیں۔

کیا چاہتے ہو؟

از جناب جودھا سنگھ صاحب مدرس اولڈ اسکول کانکا

۱۔ مارنا چاہتے ہو تو اپنی خواہشات کو مارو۔
۲۔ فتح کرنا چاہتے ہو تو دوسرے کے دلوں کو فتح کرو۔
۳۔ کھانا چاہتے ہو تو غم و غصہ کھاؤ۔
۴۔ پینا چاہتے ہو تو پریم کے گھونٹ پیو۔
۵۔ پہننا چاہتے ہو تو نیکی کا جامہ پہنو۔
۶۔ دینا چاہتے ہو تو نیچی نگاہ کر کے دو اور بھول جاؤ۔
۷۔ لینا چاہتے ہو تو غریبوں اور کمزوروں کی دعائیں لو۔
۸۔ جانا چاہتے ہو تو کمزوروں کی مدد کو جاؤ۔
۹۔ آنا چاہتے ہو تو محتاجوں کی امداد کو آؤ۔
۱۰۔ توبہ کرنا چاہتے ہو تو گناہ اور ظلم سے توبہ کرو۔
۱۱۔ بولنا چاہتے ہو تو شیریں کلامی سے بولو۔
۱۲۔ تولنا چاہتے ہو تو بات کو تولو اور ٹھیک تولو۔
۱۳۔ دیکھنا چاہتے ہو تو حق ناحق کے فرق کو دیکھو۔
۱۴۔ سننا چاہتے ہو تو غریبوں کی پکار سنو۔

گرمی کے مہینوں میں کھانے کی احتیاط

(از امیر احمد صاحب انصاری)

(۱) دیر میں ہضم ہونے والی غذاؤں سے پرہیز کیا جائے۔
(۲) رات کا کھانا سر شام ہی کھا لیا جائے تاکہ سونے سے پہلے ہضم ہو جائے۔
(۳) باسی اور سڑی ہوئی چیزیں ہر گز نہ کھائی جائیں۔
(۴) کھانے پینے کی چیزیں خوانچہ والوں اور پھیری والوں سے لے کر کھانے میں احتیاط کرنی چاہیئے۔
(۵) غذا رات کے کھانے میں بھوک سے کم کھائی جائے۔
(۶) غذا بے وقت اور تلے اوپر کر کے غذا پیٹ میں نہ ٹھونسی جائے۔
(۷) پودینہ، لیموں، سرکہ، پیاز، دہی اور املی کا استعمال ان مہینوں میں مفید ہے۔
(۸) اگر ہو سکے تو کھانا گرم گرم پکنے کے بعد ہی ٹھنڈا کر کے کھایا جائے یہ بہت محفوظ طریقہ ہے اگر یہ احتیاط کی جائے تو ہیضہ اور تخمہ کا ڈر بہت کم رہتا ہے۔ بشرطیکہ پانی بھی نل کا ہو یا ایسے کنوئیں کا جو لال دوا سے پاک صاف کیا ہوا ہو۔

(۹) ہر کھانے میں ترشی کا ذرا سا استعمال کیا جائے۔

(۱۰) کھانے پینے کی چیز پر اگر مکھی بیٹھ جائے تو اس کا کھانا خطرے سے خالی نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ مکھی بیٹھنے سے ہر کھانا مضرِ صحت نہ ہو جائے لیکن خراب ہو جانے کا امکان ضرور ہے۔

(۱۱) بچوں کے ہاتھ میں کھانے پینے کی چیزیں نہ دی جائیں۔ ممکن ہے مکھیاں بیٹھ کر اس چیز کو خراب کریں اور مکھیوں کے ذریعہ بیماری کا زہر اس چیز کے ساتھ لپٹ کر بچے کے معدے میں پہونچے اور اُسے بیمار کر دے۔

(۱۲) اگر پیٹ میں گروا پن یا گرانی ہو تو رات کا کھانا نہ کھایا جائے بلکہ صرف تھوڑا سا نیم گرم دودھ پی لیا جائے۔

(۱۳) فصلی پھل اور میوے ضرور کھائے جائیں۔ ان کے استعمال سے ان فصلوں میں ہونے والی بہت سی بیماریوں سے انسان محفوظ رہتا ہے۔

(۱۴) پکا کھانا ساتھ لے کر نہیں چلنا چاہیئے۔ راستے کی خراب ہوا کے اثر سے اُس کے خراب ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اگر لے جانا ہی پڑے تو گھی یا تیل میں تلی ہوئی چیزیں لے جانا محفوظ طریقہ ہے۔

ہندوستان میں انڈوں کی پیداوار اور تجارت

(ماخوذ از رپورٹ ایگریکلچرل مارکٹنگ ایڈوائزر سرکار ہند انڈوں کی خرید و فروخت کی بابت)

ہمارے ملک میں انڈوں کی پیداوار کا سالانہ اوسط ۳۳۴۶۴۸ لاکھ ہے اس میں ۹۰ فی صدی مرغیوں کے انڈے ہوتے ہیں اور باقی ۱۰ فی صدی بطوں کے انڈے ہوتے ہیں۔ مشرقی بنگال، ریاست ہائے ٹراونکور و کوچین صوبہ مدراس میں دریائے گوداوری کا ڈیلٹا انڈے کی پیداوار کے خاص مرکز ہیں۔ اس کے علاوہ صوبہ شمالی مغربی، ضلع تھانہ صوبہ بمبئی اور ریاست حیدرآباد دکن کا کچھ حصّہ کافی مقدار میں انڈوں کو باہر بھیجتے ہیں۔ صوبہ متحدہ میں انڈوں کی پیداوار اور خرچ دونوں بڑے پیمانے پر ہوتے ہیں۔ عام طور سے مارچ اپریل کے زمانے میں مرغیاں سب سے زیادہ اور برسات کے موسم میں سب سے کم تعداد میں انڈے دیتی ہیں۔

دیسی مرغیوں کا وزن تین پونڈ ہوتا ہے اور وہ ایک سال میں تقریباً ۵۳، انڈے دیتی ہیں۔ صوبجات متحدہ میں دیسی مرغیاں ایک سال میں اوسطاً ۶۵، انڈے دیتی ہیں۔ ترقی دادہ غیر ممالک سے منگائی ہوئی مرغیوں کا وزن دیسی مرغیوں کے مقابلہ میں زیادہ ہوتا ہے اور وہ ایک سال میں

اوسطاً ۱۰۳ انڈے دیتی ہیں۔ ان ترقی دادہ مرغیوں کی تعداد صرف ۱½ فی صدی ہے اور یہ زیادہ تر صوبجات متحدہ اور بہار میں پائی جاتی ہیں دیسی مرغیوں کے انڈوں کا وزن ۱½ اونس ہوتا ہے اور ترقی دادہ مرغیوں کے انڈوں کا وزن ۲ اونس ہوتا ہے۔ انڈے دینے والی مرغیوں میں بیماری کی وجہ سے ہر سال ۳۳ سے ۵۰ فی صدی تک اموات ہوتی ہیں۔

دیسی مرغیوں کی قسمیں بہت ہیں۔ جن میں اصیل، چٹا گانگ، ٹینی، کرکناتھا گھاگھا اور لولا سب ہیں اور ترقی دادہ نسلیں۔ سفید لیگھارن، کالی منورکا، رھوڈ آئلنڈ رڈ، اسٹرلاپ، لائٹ سسکس، ونڈاٹس اور آرپنگٹن ہیں۔

کھلی ہوئی جگہوں میں رہنے والی مرغیوں کے بہت سے انڈے اس لئے ضائع جاتے ہیں کہ وہ انھیں کسی پوشیدہ مقام میں رکھ دیتی ہیں، یا ان کو کوے، چیل، بلیاں وغیرہ کھا جاتی ہیں اس طرح سے ۴۳۰ لاکھ انڈے ہر سال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس نقصان سے بچنے کے لئے مرغیوں کی رہائش کا باقاعدہ انتظام ضروری ہے۔

بط کے انڈوں سے کیک اتنے اچھے نہیں تیار ہوتے جتنے کہ مرغیوں کے انڈوں سے۔ لیکن اگر بط کے انڈوں کی زردی ہی کیک میں استعمال کی جائے تو ان سے اتنے ہی اچھے کیک تیار ہو جاتے ہیں جتنے کہ مرغیوں کے انڈوں کے۔ مندرجہ بالا طریقہ پر زردی استعمال کرنے کے بعد سفیدی کو بڑے

وغیرہ قسم کی مٹھائیاں تیار کرنے میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

بط کے انڈوں کی قیمت ماہ اپریل میں سب سے کم ملتی ہے اور ماہ جون سے اکتوبر تک سب سے زیادہ ملتی ہے۔ مگر ملک کے ہر حصہ میں قیمت کی زیادتی اور کمی کے ایام مختلف ہیں۔ مثلاً گجرات ضلع بمبئی میں ماہ فروری میں مرغی کے انڈوں کی قیمت سب سے کم ملتی ہے لیکن صوبجات مدراس اور پنجاب میں جون کے مہینے میں انڈے اور مہینوں کے مقابلہ میں سستے فروخت ہوتے ہیں۔ ماہ جنوری میں شمال مغربی سرحدی صوبہ میں انڈوں کی قیمت سب سے زیادہ ملتی ہے۔ کوچین اور بنگال میں ماہ ستمبر میں زیادہ ملتی ہے اور دہلی وحیدرآباد دکن میں ماہ ستمبر میں سب سے زیادہ ملتی ہے۔ خریدنے اور بیچنے والوں کی معلومات کے لئے ایک ایسی مرکزی جماعت کے قائم ہونے کی ضرورت ہے جو کہ انڈوں کے مختلف بازاروں کے نرخ اور دیگر خرید و فروخت کی معلومات دے سکے۔ جب انڈوں کے گریڈ اور پیک کرنے کے اسٹیشن کافی تعداد میں ہندوستان میں کھل جائیں گے تب مندرجہ بالا خرید و فروخت کی معلومات کی مرکزی جماعت بھی ان کے ساتھ قائم ہو سکتی ہے۔ ایسی حالت میں انڈوں کو تازہ رکھنے کے لئے کولڈ اسٹوریج اسٹیشن بھی ان جماعتوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ بازار میں فروخت کرنے کے لئے انڈوں کو عام طور سے ٹوکریوں میں بھر کر بھیجا جاتا ہے۔ ٹوکری اور انڈوں کے درمیان میں کوئی اس قسم کی چیز نہیں رکھی

جاتی کہ جس سے دوران سفر میں انڈے ٹوٹنے سے محفوظ رہیں اس وجہ سے خاص طور سے شمالی ہندوستان میں دس فی صدی سے تیس فی صدی تک بازار جانے والے انڈے راستہ میں ٹوٹ جاتے ہیں۔

اندازہ لگایا گیا ہے کہ انڈوں کو بے قاعدہ طریقہ سے ٹوکریوں میں بھر کر بازار لے جانے کی وجہ سے انڈے ٹوٹنے سے ۱۵ لاکھ روپیہ سال کا نقصان ہوتا ہے۔ انڈے باہر لے جانے کے لئے بکسوں کا استعمال ضروری ہے۔ انڈوں اور بکس کی تہہ یا انڈوں اور ٹوکری کی تہہ کے درمیان میں اس قسم کی چیز ہونی چاہیئے کہ جو انڈوں کو ٹوٹنے سے محفوظ رکھے۔ تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ واپس ہونے والے لکڑی کے بکس استعمال کرنے سے انڈے بہت کم ٹوٹتے ہیں۔

بنگال اور مدراس سے برہما کو بھی انڈے بھیجے جاتے ہیں اور ان کو خراب ہونے سے اس طرح بچایا جاتا ہے کہ ڈھائی ہزار انڈوں کے لئے بارہ سیر چونہ اس قدر پانی میں ملایا جاتا ہے کہ وہ ملائی کی طرح گاڑھا ہو جائے اس کے بعد انڈوں کو ایک مٹی کے گھڑے میں رکھ کر ان پر چونے کا پانی ڈال دیا جاتا ہے، گھڑوں کی اونچائی چالیس انچ ہوتی ہے اور ان کا قطر ۲۸ انچ سے ۳۰ انچ تک ہوتا ہے۔ جب انڈے اپنی منزل مقصود پر پہنچتے ہیں تو اُن کے اوپر کا چونہ صاف کر کے بازار میں بیچا جاتا ہے۔

گاؤں کے انڈے خریدنے کے لئے بیوپاری دوسرے تیسرے روز آیا کرتا ہے بعض اوقات ہفتہ میں بیوپاری گاؤں میں ایک ہی دفعہ آتا ہے۔ اور بعض اوقات ایک ہی دن میں کئی بیوپاری انڈے خریدنے کے لئے آجاتے ہیں اس بات کی ضرورت ہے کہ گاؤں میں انڈوں کی خرید و فروخت کو کسی منتظم جماعت کے ذریعہ کیا جائے تاکہ بازار میں تازہ انڈے خریدار کو برابر ملتے رہیں۔ اس کام کو انجام دینے میں شمال مغربی سرحدی صوبہ کی انڈے جمع کرنے والوں کی کوآپریٹو جماعتیں بہت کامیاب ہوئی ہیں اور صوبوں میں بھی اس قسم کی امداد باہمی جماعتیں کامیاب ہوسکتی ہیں۔

ایگریکلچرل پروڈیوس (گریڈنگ اور مارکنگ) (انڈے) ایکٹ ۱۹۳۷ء کے بموجب ایگمارک کی نشانی اُن انڈوں پر ہی ثبت کی جاسکتی ہے جن میں تیز روشنی کے سامنے گھمانے پر مندرجہ ذیل باتیں پائی جائیں۔

انڈوں کو کسی مصنوعی ذریعہ سے تازہ نہ رکھا گیا ہو، اُن کے چھلکے پر کسی قسم کی نشانی یا دھبہ نہ ہو اور اُن کی ساخت اور بناوٹ غیر معمولی نہ ہو اندر کی سفیدی یا زردی میں کسی قسم کا دھبہ نہ ہو۔ زردی درمیان میں ہو اس میں سے روشنی گزر سکے اور وہ اندر حرکت کر سکے۔ سفیدی صاف ہو اور اس کے درمیان سے روشنی گزر سکے اور خالی جگہ گہرائی ⅜ انچ سے زیادہ نہ ہو۔

اوپر لکھی ہوئی صفات والا انڈا جب پلیٹ پر توڑا جائے گا تو اس کی زردی کھڑی رہے گی اور سفیدی زیادہ نہیں پھیلے گی۔ زردی کا چپٹا ہونا، اور سفیدی کا پانی کی طرح پھیل جانا یہ ظاہر کریں گے کہ انڈا تازہ نہیں ہے۔

مندرجہ بالا ایکٹ کے بموجب انڈوں کو پانچ قسموں یعنی اسپشل اے، بی، سی اور ڈی میں گریڈ کیا جاتا ہے اور ان پر ایگمارک کی مُہر ثبت کی جاتی ہے۔ سرکار ہند کے ایگریکلچرل مارکٹنگ ایڈوائزر یہ مہر منظور شدہ تجارتی جماعتوں کو استعمال کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔

گریڈنگ یعنی چھوٹے بڑے انڈوں کو چار قسموں میں تقسیم کرنے کا کام ہاتھ اور مشین دونوں طریقوں سے ہوسکتا ہے۔ مشین سے ایک گھنٹہ میں دو ہزار سے تین ہزار انڈے چھانٹے جاسکتے ہیں اور اُن کی قیمت چار سَو روپیہ سے ایک ہزار روپیہ تک ہوتی ہے۔ تین ہزار انڈے روزانہ گریڈ کرنے والی مشین تقریباً بیس روپیہ میں ملتی ہے۔ دسمبر ۱۹۳۷ء میں ایگمارک کے گریڈ کئے ہوئے انڈوں کی قیمت لاہور میں فی ٹوکری (۴۰۰ انڈے فی ٹوکری) مفصلہ ذیل ملی۔

	روپیہ	آنہ	پائی		روپیہ	آنہ	پائی
ایگمارک۔ اے	۱۳	۰	۰	ایگمارک سی	۱۲	۰	۰
ایگمارک۔ بی	۱۲	۸	۰	بغیر گریڈ کئے ہوئے	۱۲	۰	۰

انڈوں کو تازہ رکھنے کے لئے ۳۵ ڈگری فارن ہائٹ سے ۴۵ ڈگری فارن ہائٹ تک کا ٹمپریچر ضروری ہے اس ملک کے بڑے شہروں مثلاً بمبئی وغیرہ میں گرمی کے زمانے میں فروخت سے بچے ہوئے انڈوں کو تاجر لوگ "کولڈ اسٹوریج" میں رکھ دیتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ انڈے زیادہ تر ٹوکریوں میں ہوتے ہیں۔ اس لئے ایک ٹوکری کے اوپر دوسری ٹوکری نہیں رکھی جا سکتی اور اس طرح اسٹور کا زیادہ حصّہ کا کرایہ بھی زیادہ پڑتا ہے۔ بجائے ٹوکریوں کے بکسوں میں انڈوں کو بند کیا جائے تو کولڈ اسٹوریج میں بکسوں کے اوپر نیچے رکھنے سے جگہ کم گھیرے گی۔ بکسوں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر لے جانے میں انڈے بہت کم ٹوٹتے ہیں۔

(ماخوذ از رسالہ "ہل" الہ آباد)

گرمی کے زمانہ میں

پانی کو ٹھنڈا رکھنے کی تدبیریں

از محبوب گونڈوی

شہروں سے دور دراز مقامات پر برف میسّر نہیں آتی اور پانی گرم پینا پڑتا ہے۔ ٹھنڈا پانی حاصل کرنے کے لئے نیچے لکھی ہوئی ترکیبیں کام میں لائی جاسکتی ہیں۔

(۱) کورے گھڑے میں پانی بھر کر کھلی ہوا میں رکھو۔ پانی ٹھنڈا ہو جائے گا۔ دس بارہ دن کے بعد گھڑا بدل دو۔

(۲) پانی کا معمولی گھڑا بھر کر رکھو اور اس کے منھ پر ایک باریک کپڑا تنا ہوا کس کر باندھو اور اُس گھڑے کو چھینکے پر اس طرح لٹکاؤ کہ اُس کا منھ نیچے رہے۔

(۳) ایک گڈھا کھود کر صاف بالو بھر دو اور پانی کا گھڑا بھر کر اس طرح رکھ دو جہاں تک زیادہ بالو گھڑے کو چھو سکے اچھا ہے اگر بہت زیادہ پانی ٹھنڈا کرنا ہو تو قلمی شورہ، نمک اور نوسادر پیس کر بالو میں شامل کر دو۔ لیکن اگر مصالحہ ڈالیں تو گھڑے کو ہر آٹھویں دن بدل دیں۔

(۴) گھڑے کے اوپری حصے پر کپڑا باندھ دو اُسے پانی سے تر کرتے رہو۔

(۵) گھڑے یا صراحی پر خس۔ پتا اور یا گھاس پھوس سے بذریعہ سُتلی بندش کر دو اور اُس گھاس پھوس کو پانی سے تر رکھو۔

محنت کر کے پڑھ لو بھائی

(از جناب شجاعت سندیلوی ہیڈ ماسٹر سنٹرل جیل لکھنؤ)

من کو لگا کر، پڑھ لو بھائی   پڑھ لو بھائی، پڑھ لو بھائی
بھارت کے دُکھ ہر لو بھائی   لاج وطن کی رکھ لو بھائی
محنت کر کے پڑھ لو بھائی

پڑھنے میں تم مت شرماؤ   دھیرے دھیرے پڑھتے جاؤ
آگے آگے بڑھتے جاؤ   علم سے دامن بھر لو بھائی
محنت کر کے پڑھ لو بھائی

"پڑھنا ناہیں چھاجت[1] ہم کا   کام سے ناہیں پھرست[2] ہم کا
پڑھب[3] تو ہم مر جائب بھیّا"   یہ سب باتیں چھوڑو بھائی
محنت کر کے پڑھ لو بھائی

سختی[4] سہہ لو، گھڑکی سہہ لو   بھوکے رہ لو ننگے رہ لو
گالی طعنے سب کچھ سُن لو   مگر نہ پڑھنا چھوڑو بھائی
محنت کر کے پڑھ لو بھائی

(۱ و ۲ و ۳ و ۴ کا حاشیہ صفحہ ۲۶ پر دیکھیو)

پڑھے لکھے جو ہم سب ہوتے　　ہم سب بھی پھر سکھ سے رہتے
اٹھو اب کیوں وقت ہو کھوتے؟　　اپنے لئے کچھ کر لو بھائی
محنت کر کے پڑھ لو بھائی

(۱) پھلتا۔ یعنی پڑھنا ہم کو پھلتا نہیں۔

(۲) فرصت۔ چھٹی۔ کام کی وجہ سے اتنا موقع نہیں ملتا کہ پڑھیں۔

(۳) بعض لوگ کہتے ہیں کہ پڑھنے سے ہم مرجائیں گے کیونکہ جس نے بھی ہمارے یہاں پڑھنا شروع کیا وہ پڑھنا شروع کرتے ہی مرگیا، ورنہ بیمار ضرور ہوگیا۔ یہ اور اسی قسم کی بہت سی باتیں پڑھنے سے بچنے کے لئے لوگ کرتے ہیں۔

(۴) اس بند میں ان لوگوں سے کہا گیا ہے جو پڑھنے میں دلچسپی لیتے ہیں اور اس خطاب میں ان کے جاہل ساتھی، مغرور بڑے لوگ، بیگار لینے والے حضرات اور انسانی مساوات کے دشمن، ان پر ہنستے ہیں، ان کو چڑھاتے ہیں اور بجائے ہمدردی کے سختی سے کام لیتے ہیں۔

لطائف

(مرتبہ عبدالشافی صا الہ آبادی)

ایک مولوی صاحب جو اپنے نام کے ساتھ القابات کے بہت سے دُم چھلّے لگائے ہوئے تھے۔ ایک سرائے میں ایک بجے رات کو پہونچے۔ پھاٹک بند ہو چکا تھا۔ مولوی صاحب نے آواز دی "پھاٹک کھولو"۔ بھٹیاری نے پوچھا "کون"؟

مولوی صاحب نے جواب میں کہا۔ "ابوالکمال حاجی حافظ قاری قاضی بدرالدین احمد خاں بدر حنفی قادری خیری جونپوری"۔

بھٹیاری نے یہ جواب سُن کر کہا کہ "کہیں اور جا کر ٹھہر جائیے۔ سرائے میں اتنے آدمیوں کی گنجائش نہیں ہے"۔

ایک فقیر ایک بدمزاج عورت کے مکان پر بھیک مانگنے گیا اور چیخ چیخ کر سارا محلہ سر پر اُٹھا لیا۔ عورت نے چیخ کر کہا۔

"مردود، دور ہو، نہیں تو اپنے میاں کو بھیج کر جوتے لگواؤں گی"۔

فقیر نے کہا "اپنے میاں کی دھمکی کیوں دے رہی ہو۔ میاں گھر میں کہاں

ایسی بدمزاج عورتوں کے شوہر تو گھر پر ٹکتے ہی کہاں ہیں، کھانے پینے سے فرصت پائی اور گھر سے کھسکے۔

ایک شخص بہت بدزبان تھا اور ذرا ذرا سی باتوں پر اپنے نوکروں کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ ایک دن سب نوکر مل کر مالک کے سامنے حاضر ہوئے اور عرض کی۔ "حضور! یوں تو آپ بہت اچھے ہیں لیکن ایک بات آپ میں بُری ہے۔" اُس شخص نے کہا "بتا و حرام زادو! کون سی بات بُری ہے؟"
نوکروں نے کہا۔ "حضور بس یہی"۔

لوگوں نے ایک بھلے آدمی سے ایک شرابی کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ کہ "وہ بے ہوش راستہ میں پڑا ہے۔" اُس بھلے آدمی نے جواب دیا کہ "وہ بے ہوش تو پہلے ہی سے تھا اگر وہ ہوش میں ہوتا تو شراب ہی کیوں پیتا"۔

ایک لڑکے نے اپنے چھوٹے بھائی کو مارا، باپ نے دوڑ کر بڑے لڑکے کے ہاتھ پکڑ کر اُسے گھسیٹا اور کہا "اِدھر آ، میں تجھے ماروں گا۔ تو بڑا بے وقوف ہے تو نے اپنے سے چھوٹے کو مارا ہے۔" لڑکے نے کہا کہ "ابّا! آپ تو بڑے عقلمند ہیں کہ اپنے سے چھوٹے کو مارنے جا رہے ہیں۔

وطن

از جناب محمد عظمت اللہ خاں بی اے مرحوم

مری جان ہو کہ مرا بدن تراجلوہ گاہ ہے اے وطن
تری خاک ان کا خمیر ہے
مرے خوں میں یہ جھلک تیری مری نبض میں یہ چپک تیری
مری سانس تری صفیر ہے

تری خاک جگ کا خلاصہ ہے ترا حسن ایک تماشا ہے
تری پھیلی گود کہ باغ ہے
تری خاک پاک ذلیل ہے تو غلاموں کی دلیل ہے
تری پود شرم کا داغ ہے

تجھے ماسوا سے گرادیا ہمیں ماسوا نے مٹا دیا
ہوئے تفرقوں سے تمام ہم
تجھے جب تلک کہ بھلا رکھا ہمیں وقت نے بھی مٹا رکھا
بنے گھر میں اپنے غلام ہم

ترے خون ہیں یہ پھٹے پھٹے ترے پوت ہیں یہ بٹے بٹے
ترے دل جگر ہیں یہ بے وفا

ترا کچھ لہو ہی سفید ہے　　کہ عجب طرح کا یہ بھید ہے
نہیں بھائی بھائی سے آشنا

نہیں غیر کا ہمیں کچھ گلا　　کہ غلامیوں کا یہ پھل ملا
ہمیں تفرقہ کے جنون سے

ترے دودھ پیتی تھی پیاری ماں　　نہیں درد کی کوئی بجلیاں
کہ ملا دے خون کو خون سے

ہمیں بھائیوں سے غرض نہیں　　ترے جہل و وہم میں چور ہیں
کہ جو کام ہیں سو خطا کے ہیں

کہیں ذات پات کی لاگ ہے　　کہیں دین دھرم کی آگ ہے
کہیں بیر مفت خدا کے ہیں

جنھیں پیت ہے انھیں جیت ہے　　یہی جگ میں جیت کی ریت ہے
ترے پوت اپنوں سے غیر ہیں

ہمیں غیریت یہ مٹانی ہے　　ہمیں جیت آپ پہ پانی ہے
اسی گھر کے غیر سے غیر ہیں

ترے پوت بھائی ہیں بھائی ہوں　　ترے دل سے سب ہی فدائی ہوں
کہ تو آپ اپنی مثال ہو

ترے زور کی یہی دھاک ہو　　کہ جہاں برائی سے پاک ہو
ترا علم حق کا کمال ہو

ظرافت

از منشی پریم بہاری لال سکسینہ

ایک مسافر۔ (گاڑی بان سے) "جن لوگوں کے نام کے آگے لفظ "بان" لگا ہوتا ہے وہ بہت شریر ہوتے ہیں"۔

گاڑی بان:۔ "جیسے"

مسافر:۔ "جیسے کوچ بان۔فیل بان وغیرہ"۔

گاڑی بان:۔ "سچ ہے مہربان"۔

ایک صاحب نے اپنے نوکر سے خفا ہوکر کہا۔ "گدھے کے بچے"۔

ملازم نے ہاتھ جوڑ کر کہا:۔ "حضور ہی ماں باپ ہیں"۔

دیہاتی:۔ "کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ کانجی ہوس کہاں ہے"؟

شہری:۔ "یہ ایک بے وقوف بھی جانتا ہے"۔

دیہاتی:۔ "اسی لئے تو میں نے آپ سے پوچھا"۔

Regd. No. A-625

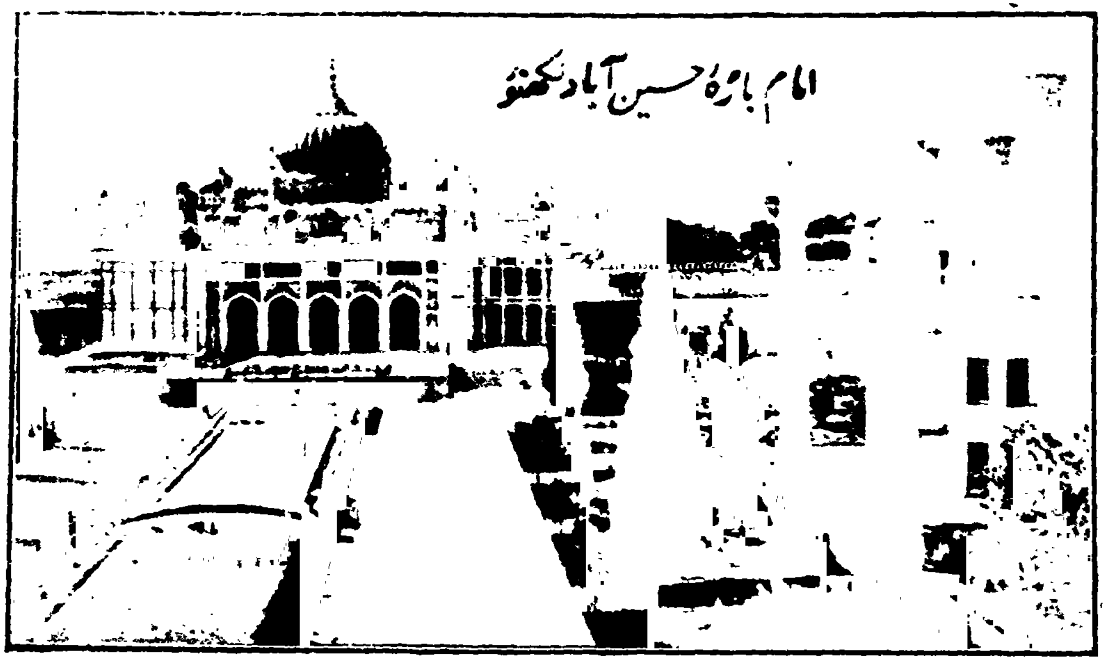


ازنسیم انہونوی

قیمت دو روپیہ

The cover printed at the [illegible] Press Limited, [illegible] Road, Lucknow.


ترقی


امام باڑہ حسین آباد لکھنؤ

یو۔ پی گورنمنٹ کا منظور کردہ

کم پڑھے لوگوں کے لئے رسالہ

ترقی

قیمت سالانہ عہ لکھنؤ قیمت فی پرچہ ۳

ایڈیٹر :- شفیق شاہ پوری

جلد ۲ ماہ جولائی سنہ ۱۹۴۱ء نمبر ۷

فہرست مضامین

عرضِ حال

(از اے ڈی شیلی)

ہندوستان نے نئے تمدن کی روشنی دیکھ کر سماج کی پرانی نیک تو منادی لیکن ترقی کی طرف سچ مچ کا کوئی قدم نہیں اُٹھایا۔

پڑھنے پڑھانے کے موجودہ ہنگامے دیکھ کر پرانے طریقے کے مدرسے اور مکتب بند کر دیئے جس کا نتیجہ آج یہ ہے کہ ہم اُن مدرسوں کی اخلاقی تعلیم سے محروم ہو گئے اور ان مدرسوں میں رہ کر بچے جو اخلاق سیکھتے تھے آج ان کا پتہ نہیں بڑوں کو چھوٹوں پر نہ وہ شفقت ہے اور نہ چھوٹوں کو بڑوں کا ادب، خودسری اور آزادی کی ہوائیں دماغ میں سمائی ہوئی ہیں۔ اور بزرگوں کے بڑے پن اور چھوٹوں کے چھوٹے پن کے خیال نے سماج کے اندر امن وامان کو جس مضبوطی سے قائم کیا تھا آج اُس کا پتہ نہیں۔ نہ بڑے چھوٹوں کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ چھوٹے بڑوں کا دباؤ مانتے ہیں۔ پہلے یہ دستور تھا کہ محلہ کے ہر بڑا بوڑھا اپنے چھوٹوں پر دباؤ رکھتا تھا اور چھوٹوں کو بُری عادتوں سے روکتا اور بُری صحبتوں میں جانے سے منع کرتا محلہ کے ہر بڑے بوڑھے کا لحاظ کیا جاتا چاہیئے وہ جس فرقہ یا مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ قدم قدم پر اس طور پر بچوں اور نوجوانوں کی روک ہوتی رہتی۔ اور وہ غلط راستہ پر نہ چلنے پاتے۔ اس طور طبیعتوں کی اصلاح ہو جانے پر بڑی عمر میں

لڑائی جھگڑے کے اندیشے کم ہو جاتے اور لوگ مِل مِلا کر رہتے اور آج جو کشمکش ہے اور بات بات پر تنا تنی۔ پہلے یہ بات ہمارے سماج سے کوسوں دور تھی۔ اسی طرح ہماری اصلاح اور درستی کا بڑا ذریعہ ہماری پنچایتیں تھیں کہ جہاں بڑے سے بڑا جھگڑا اور فساد بلا خرچ اخراجات طے ہو جاتا تھا اور اس طرح دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا کیونکہ انصاف کا کام ایسے لوگوں کے ہاتھوں ہوتا جو اس جھگڑے کے حالات اور جھگڑا کرنے والوں کی عادتوں اور طبیعتوں سے واقف ہوتے اور اس صورت میں نہ تو جھوٹی گواہیوں کی ضرورت ہوتی اور نہ مقدمہ کی پیروی کرنے والوں کی تلاش ہوتی کہ وہ بات کا بتنگڑ بنا کر فریقین کو تباہ کر دیں۔ اور مقدمہ بازی پر گھر کی دولت برباد ہو۔ اگر گاؤں میں پنچائت ہوتی تو معاملہ بآسانی پہلی منزل پر ختم ہو جاتا اور بات طول نہ کھینچتی اور چھوٹے جھوٹ کے مقابلہ میں فریق مخالف کو زک دینے کے لئے اس سے بڑا جھوٹ نہ تیار کیا جاتا۔ پنچائت میں انصاف کی بنیاد معاملہ کی حقیقت پر ہوتی ہے اور فریقین اس سے مطمئن ہو جاتے ہیں اور عدالتی مقدمہ بازی میں چونکہ فیصلہ کا دارمدار پیروی مقدمہ۔ وکیلوں کی ترکیبوں اور شہادت گڑھنے پر منحصر ہے۔ لہٰذا جس صورت میں مقدمہ گڑھ کر عدالت کے سامنے جاتا ہے ویسا فیصلہ ہو جاتا ہے ایسی حالت میں جیتنے والے کو اپنی چالاکی اور پیروی پر ناز ہوتا ہے اور ہارنے والا اپنی کمزوری پر نظر کر کے ہار مان تو لیتا ہے۔ مرتا کیا نہ کرتا لیکن دل میں بخار رکھتا ہے اور وہ موقع کی تلاش میں رہتا ہے کہ اپنے فریق کو زک پہونچا سکے اور اس طور پر ایک مقدمہ کے بعد دوسرا مقدمہ تیار ہوتا رہتا ہے۔

"ریڈیو کی کہانی"

از قاری محمد علیم صاحب

ریڈیو کا رواج اتنا بڑھا ہے کہ اُسے ہر کوئی پہچاننے لگا ہے۔ مکانوں میں، دکانوں میں، ہوٹلوں میں، پارکوں میں جدھر جاؤ جہاں دیکھو ریڈیو کا راج رچ رہا ہے۔ شہر تو پھر شہر ہے۔ گانوں گراؤں بھی اس کی پہونچ سے نہیں بچے ہیں۔

اس عجیب و غریب آلے کو "مارکونی"(۱) نے بنایا تھا۔ وہ ۲۵ راپریل ۱۸۷۶ء کو اٹلی کے ایک گانوں بلوگنا میں پیدا ہوا تھا۔ غریب باپ کا بچہ ہونے کے باعث تعلیم بھی پوری نہ ہو سکی تھی۔ مگر سائنس سے دلی لگاؤ تھا۔ جب ٹیلی گراف کے ذریعہ دُور دراز سے پیغامات آتے جاتے دیکھتا تھا تو آپ سے آپ اُسکے دل میں یہ بات جم جاتی تھی کہ یہی کام بجلی کی لہروں سے لیا جا سکتا ہے اگر برقی لہروں پر قابو ہو جائے تو تاروں کی مدد کا جھگڑا نہیں رہتا۔

جوں جوں دن گزرتے گئے۔ یہ دُھن پکی ہوتی گئی۔ آخر اُس نے اپنے گانوں میں تجربوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس کام میں بڑی دشواری

(۱) مارکونی نے جولائی ۱۹۳۷ء میں وفات پائی۔

یہ تھی کہ تجربہ کرنے کا کوئی سامان نہ تھا۔ پھر بھی مارکونی ہمت نہیں ہارا لگاتار محنت کرتا رہا۔ قدرت بھی اُس پر مہربان ہوگئی اور وہ پہلے پہل ایک میل سے پیام وصول کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

اب اس نے انگلستان کا رُخ کیا۔ وہاں پہونچ کر اپنے تجربوں کا مظاہرہ کیا اور ۲ جون ۱۸۹۶ء میں بے تار کی تار برقی کا سرکاری لائسنس لے لیا۔ اس کے بعد اپنے تجربوں کو بڑھاتا رہا۔ آہستہ آہستہ پیغام سلام کرنے کا فاصلہ بڑھنے لگا۔ ایک سے ۔و اور دو سے چار میل ہوگیا۔ لیکن وہ تجربوں سے غافل نہیں ہوا۔ روز کچھ نہ کچھ اضافہ کرتا رہا۔ فاصلے کو بڑھاتے بڑھاتے نو میل لمبا کر دیا۔

اٹلی والوں نے سُنا تو جون ۱۸۹۷ء کو دعوت نامہ بھیجکر مارکونی کو انگلستان سے واپس بلالیا۔ اُس نے اٹلی پہونچ کر پہلا وائرلیس اسٹیشن بنایا جو ۱۲ میل کی خبریں وصول کر لیتا تھا۔ اسی دوران میں روم کے بادشاہ اور بادشاہ بیگم کو شاہی ایوان میں اپنے تجربوں سے محظوظ کیا۔

اب اُس کی ایجاد کی دھوم مچ گئی تھی۔ لندن کے بعض مَن چلے تاجروں نے جولائی ۱۸۹۷ء میں ایک بڑی کمپنی بنا کر ساری دنیا کے ملکوں سے اُس کی ایجاد کا حق محفوظ کرانے کی ٹھانی۔ لیکن مارکونی نے اپنے ملکی بھائیوں کو پابند بنانا ناپسند نہیں کیا اس لئے اٹلی چھوڑ کر تمام ملکوں میں اُس کی ایجاد

حق محفوظ کر لیا گیا ۔ چند ملکوں میں وائرلیس کے اسٹیشن قائم ہوگئے
شروع شروع میں اس کمپنی کا نام "وائرلیس اینڈ سگنل کمپنی" تجویز
ہوا تھا مگر کچھ دن گزرنے پر ۱۹۰۰ء میں "مارکونی وائرلیس ٹیلی گراف کمپنی"
کے نام سے بدل گیا۔ اس کمپنی کی اصلی غرض یہ تھی کہ مارکونی کی ایجادوں کو
دنیا میں جاری اور روشناس کیا جائے۔

رسانی رسان کوششیں کامیاب ہونے لگیں ۱۸۹۸ء میں پہلے پہل
سمندر کے کناروں اور جہازوں کے درمیان بے تار کی خبر رسانی کا
سلسلہ قائم کیا گیا۔ اس سلسلے کا فاصلہ بارہ میل سے زیادہ نہ تھا۔ جس
جہاز پر وائرلیس لگایا گیا تھا وہ بہت چھوٹا سا جہاز تھا۔ اتفاق دیکھیے کہ وہ
سفر کرتے ہوئے کسی بڑے جہاز کی چپیٹ میں آگیا۔ جب ڈوبنے لگا تو
وائرلیس کے ذریعہ خبر بھیج کر قریب کے ساحل والوں سے مدد مانگی۔ ساؤتھ
فورلینڈ کے ساحل سے کچھ کشتیاں مدد کو روانہ ہوئیں اور موقع پر پہنچ کر
بہت سے ڈوبتے ہوئے آدمیوں کی جان بچانے میں کامیاب ہوئیں۔

یہ سلسلہ برابر بڑھتا رہا۔ فرانس و انگلستان کے مابین پیام سلام ہونے
لگے۔ ایک جنگ کے موقع پر لڑائی کے جہازوں نے چھہتر میل کی دوری
سے پیام پہنچے اور جواب حاصل کیے۔ پھر یہ فاصلہ بڑھ کر سو میل تک
پہنچ گیا۔ مگر ۱۹۰۲ء کا تجربہ ریڈیو کی کہانی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے

جب مارکونی نے دن کو سات سو میل کی دوری سے بات چیت کی اور رات کو دو ہزار میل سے پیام منگوائے اور اُن کے جوابات دئے۔ اسی سفر میں یہ راز ظاہر ہوا کہ دن کی بہ نسبت رات کو زیادہ دور تک پیامات بھیجے جا سکتے ہیں۔

اسی ۱۹۰۲ء میں مارکونی نے ایک ایسا مقناطیسی آلہ پیٹنٹ کرایا جو بجلی کی لہریں جذب کرتا تھا۔ پھر تین برس بعد کچھ ایسے آلے پیٹنٹ کرائے جو لمبے سیدھے ایریل کے سہارے کام کرتے تھے۔ یہ آلے ریڈیو کے لئے بہت کارآمد ثابت ہوئے ان سے خبریں بھیجنے اور منگانے میں بڑی سہولت ہو گئی۔

۱۹۱۰ء میں ایچ۔ جے۔ راؤنڈ نامی ایک سائنس داں مارکونی کا ہاتھ بٹانے لگا اور چھ ہزار میل تک پیام سلام ہونے لگا۔ دو سال کی لگاتار کوشش سے ایک اور آلہ کی ایجاد عمل میں آئی۔ اُس کے ذریعہ بغیر کسی رکاوٹ کے مسلسل بات چیت کرنا ممکن ہو گیا۔

لڑائی چھڑنے پر وائرلیس نے بہت فائدہ پہونچایا، مختلف طاقتوں کے درمیان پیام بھیجنے کے واسطے "شارٹ ویو" کی ایجاد کی گئی جو آگے چل کر بہت کامیاب ثابت ہوئی۔

رفتہ رفتہ اس ایجاد میں ترقی اور اصلاح ہوتی گئی اور ریڈیو سے

سیکڑوں مفید اور تفریحی کام لئے جانے لگے خصوصاً شیشے کے والو ایجاد ہونے کے بعد سے ہر قسم کی لمبی چوڑی تقریریں کرنا اور گانا بجانا آسان ہوگیا ہے۔ فاصلے کی پہلی سی قید باقی نہیں۔ ہزاروں میل سے بیٹھے ہوئے تمام خبروں، تقریروں اور گانے بجانے کی آوازیں سُنی جا سکتی ہیں۔

سب سے پہلے مارکونی کمپنی نے موسیقی براڈ کاسٹ کی۔ تجربہ صحیح ثابت ہونے پر ۱۹۲۱ء سے موسیقی اور تقریریں بڑی باقاعدگی سے براڈ کاسٹ ہونے لگیں اور اب اُن کا رواج اتنا زیادہ ہوگیا ہے کہ شاید کوئی بچہ تک اس سے لاعلم نہ ہوگا۔

حسین آباد

(از مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی)

جس طرح لکھنؤ کا بڑا امام باڑہ تعمیری صنعت اور پائداری کے لئے مشہور ہے اُسی طرح حسین آباد بھی خوشنمائی میں شہرت رکھتا ہے۔ اس خوبصورت امام باڑے کو اودھ کے تیسرے بادشاہ محمد علی شاہ نے بیس لاکھ روپئے صرف کرکے بنوایا تھا۔ عزاداری اور نیک کاموں کے واسطے تینتیس لاکھ روپے سرکار کمپنی کو دائمی قرض دیے تھے اُس کا منافع چودہ ہزار روپئے مہینے کے حساب سے ملتا ہے۔ اس کے علاوہ جواہرات اور چاندی سونے کا جو سامان چڑھایا تھا اُس کی قیمت کا اندازہ مشکل ہے۔ وہ سارا سامان ۵۷ء کی بھگدر میں تلف ہوگیا اور اب جو کچھ دیکھنے میں آتا ہے یہ اُس کا ایک حصہ بھی نہیں ہے۔

محمد علی شاہ بادشاہ عادل، رحم دل اور نیک سیرت تھے انھوں نے اپنی حکومت کے زمانے میں بہت سے نیک کام کئے تھے۔ یہ امام باڑہ بھی اُن کی نیکی اور حق شناسی کا ثبوت ہے۔

اُن دنوں مُلکِ دکن میں کال پڑنے کے باعث ہزاروں قحط کے

مارے لکھنؤ بھاگ آئے تھے۔ اُن کی پرورش کے لئے رحیم بادشاہ نے حسین آباد کی سڑک[1] بنائے جانے کا حکم دیا اور جنیا باغ امام باڑے کی تعمیر کے واسطے تجویز ہوا اور وہاں سے آصفی امام باڑے تک پکی سڑک نکالی گئی

حسین آباد کا پہلا دروازہ مشرق کی طرف ہے اور اُس کے سامنے مغرب کی سمت جوابی پھاٹک ہے۔ ان دونوں دروازوں کے بیچوں بیچ، جنوب رو صدر پھاٹک ہے۔ اُس کے سامنے جواب میں بالکل ویسا ہی پھاٹک بنا ہے جو "نقار خانہ" کہلاتا ہے۔ اس پھاٹک پر قدیم رواج کے مطابق ہر روز رات دن میں پانچ دفعہ نوبت بجائی جاتی ہے جس سے شاہی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

صدر دروازے پر امام باڑے کے خادم، سپاہی اور چپراسی زرق برق وردیاں پہنے ہوئے ہر وقت اپنی خدمت پر موجود رہتے ہیں پھاٹک اور امام باڑے کے بیچ میں کشادہ صحن چھوڑ دیا گیا ہے۔ اُس کا فرش پتھر کا ہے۔ صحن کے درمیان میں تقریباً سو قدم لمبا حوض ہے۔ حوض پر ٹوٹ کا خوبصورت پل ہے۔ پل سے تھوڑا ہٹ کے ایک بجرا تیر رہا ہے اُس پر

(۱) اب اس سڑک کا نام حسین آباد ٹرسٹ روڈ ہے۔ مؤلف

دُلدل (۱) اور قنبر (۲) کی چوبی شبیہ ہے جو صنعت کا بہترین نمونہ ہے۔ چاروں طرف چمن بندی کرکے اور پھولوں کے گملے سجا کے صحن کو گلزار بنا دیا گیا ہے سبزے کا ہرا ہرا فرش آنکھوں میں خنکی پیدا کرتا ہے۔

دروازے کے نزدیک دو خوبصورت برنجی مجسّمے کھڑے ہیں۔ اُن کے ہاتھوں میں لوہے کی ایک موٹی سی زنجیر ہے۔ زنجیر کا دوسرا سِرا دروازے میں جوڑ دیا گیا ہے۔ زائروں کو اس زنجیر کے نیچے سے گزرنا ہوتا ہے۔ شاہی میں یہ زنجیر ٹھوس سونے کی تھی۔ بھگدڑ میں تلف ہو گئی تو اُس کے بدلے لوہے کی زنجیر لگا دی گئی۔

صحن کے آخری سرے پر امام باڑے کی عالی شان عمارت ہے جو ایک وسیع چبوترے پر قائم ہے۔ چبوترے پر چڑھنے کے واسطے سنگی زینہ بنا ہے۔ امام باڑے کا اندرونی فرش سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ کا ہے یہ امام باڑہ دو وسیع دالانوں، ایک شہ نشین اور دو چوڑی چکلی صحنچیوں پر مشتمل ہے

امام باڑے کے پانچ دروازے صحن کی طرف کھلتے ہیں۔ پھر تھوڑے فاصلے کے بعد دونوں صحنچیوں کے تین تین دروازے بھی اسی چبوترے پر کھلتے ہیں۔

(۱) حضرت علی علیہ السلام کا گھوڑا۔ شاہ حبشہ نے یہ گھوڑا حضرت رسول اللہ صلعم کو ہدیۃً بھیجا تھا انھوں نے اپنے بھائی حضرت علیؓ کو مرحمت فرمایا۔ (۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام کا نام ہے۔ خنجر

امام باڑے کے پہلے دالان میں چاندی کا ایک منبر رکھا ہے۔ ذاکر اس منبر پر بیٹھ کر کربلا کی غم ناک مصیبتیں بیان کرتا ہے۔ شاہی میں یہ منبر ٹھوس تھا اور اب لکڑی پر چاندی کے پتّر منڈھ کر بنایا گیا ہے۔

سارا امام باڑہ نفیس نفیس جھاڑ، فانوس۔ انمول طغروں اور قیمتی قیمتی ساز و سامان سے آراستہ ہے۔ شہ نشین پر نقرئی ضریح ہے۔ اُس کے سامنے گنگا جمنی رحل پر قرآن شریف رکھا رہتا ہے۔ جو فن کتابت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ ہاتھی دانت اور شیشے کے بنے ہوئے بہت سے چھوٹے بڑے تعزیہ بھی چاندی والی ضریح کے دونوں جانب رکھے رہتے ہیں۔ ایک خوبصورت تعزیہ صندل کی لکڑی کا ہے۔ اس کے علاوہ محرم کے مہینے میں چاندی سونے کے علموں، ابرک اور کاغذ کے خوش نما تعزیوں کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ امام باڑے کی چھت پر تین تین بڑے بڑے خوبصورت گنبد ہیں۔ اُن پر سُنہرا کام ہے۔ بیچ کا گنبد پہلو والے گنبدوں سے بڑا ہے۔ محرم کے دنوں میں ساتویں سے نویں تک چراغاں کی دھوم دھام رہتی ہے۔ ہزاروں آدمی روشنی دیکھنے آتے ہیں۔ قریب اور دور کی بستیوں سے بھی اکثر لوگ آتے اور زیارت کرتے ہیں۔

اس امام باڑے میں اودھ کا تیسرا بادشاہ محمد علی شاہ اپنی ماں کی آغوش شفقت میں ابدی نیند سو رہا ہے۔ ان کی سرمدی خواب گاہ وہاں آنے والوں کی آنکھوں کے سامنے دنیا کی بے ثباتی اور حسرت و عبرت کا مرقع پیش کرتی رہتی ہے۔

اچھی کھاد کسان کا دھن ہے

(از جناب شفیع الدین صاحب نیّر)

لید ہو یا ہوں مینگنیاں تم اُن کو مت پھنکواؤ
پودوں اور پیڑوں کے پتوں کے بھی ڈھیر لگاؤ
گلی سڑی چیزیں ہوں یا گوبر ہو کام میں لاؤ
جتنی گندی چیزیں پاؤ۔ اُن کی کھاد بناؤ
اچھی کھاد کسان کا دھن ہے بات یہ بھول نہ جاؤ

گہرے گہرے گڑھے کھود کر ان چیزوں کو دباؤ
بیت چکیں چھ سات مہینے تب اُن کو کھدواؤ
کھاد یہ لو تیار ہے اس کو کھیتوں میں پھیلاؤ
کھیتوں میں پھیلا کر اپنی پیداوار بڑھاؤ
اچھی کھاد کسان کا دھن ہے بات یہ بھول نہ جاؤ

کھاد ہی دھن دولت ہے تمہاری کھیتوں میں ڈلواؤ
ہاتھ سے اس دولت کو گنوا کر پیچھے کیوں پچھتاؤ
دیکھنے میں تو کچھ بھی نہیں یہ، پر یہ بھول نہ جاؤ
اچھی کھاد ہے جڑ کھیتی کی، اچھی کھاد بناؤ
اچھی کھاد کسان کا دھن ہے بات یہ بھول نہ جاؤ

کام ہے یہ کس طور سے آتی، اس پر دھیان لگاؤ
کیسے ہے پیداوار بڑھاتی، سوچ کے یہ بتلاؤ
سمجھو سوچو ان باتوں کو اوروں کو سمجھاؤ
نیّر نے جو بات کہی ہے دل میں اس کو بٹھاؤ
اچھی کھاد کسان کا دھن ہے بات یہ بھول نہ جاؤ

دیہات کی عام حالت

از مولوی ادریس احمد خان صاحب مرحوم

ہمارے ملک میں دیہات کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اُس کے قریب پہنچتے ہی دماغ بدبو کے مارے پریشان ہوجاتا ہے۔ پکّی سڑک سے جو کچّا راستہ گاؤں کو جاتا ہے۔ اُس میں جگہ جگہ غلاظت نظر پڑتی ہے۔ صبح سویرے جب اندھیرا ہوتا ہے تو گانوں کے مرد عورت رفع حاجت کے لئے اسی راستہ میں دونوں طرف بیٹھ جاتے ہیں۔ گانوں کے بچّے تو دن بھر اس راستہ کو غلیظ بناتے رہتے ہیں۔ گانوں کے چاروں طرف لید، گوبر، گھاس، پھونس، کوڑے اور راکھ کے انبار لگے ہوتے ہیں۔ یہی کوڑا کرکٹ آندھی میں اُڑکر آنکھوں، کانوں، منھ اور ناک کے ذریعہ سے پھیپھڑوں میں پہنچتا ہے۔ مویشیوں کے رہنے کا باڑا مہینوں صاف نہیں کیا جاتا۔ پانی کا نکاس نہ ہونے کی وجہ سے جگہ جگہ کیچڑ اور پانی جمع ہوجاتا ہے جس میں کثرت سے مچھّر پیدا ہوتے ہیں۔ کنوؤں کی منڈیر پر بیٹھ کر مرد نہاتے ہیں۔ غسل کا آدھا پانی کنویں کے اندر جاتا ہے اور منڈیر کی جڑ میں جذب ہوجاتا ہے۔ کنوؤں کے چاروں طرف گڑھوں میں پانی جمع ہوکر سڑتا ہے اور زمین میں جذب ہوکر کنوے کے پانی کو خراب کرتا ہے۔ کنوؤں کے

قریب مویشیوں کے پانی پینے کے لئے جو حوض یا کونڈ بنائے جاتے ہیں اُن کو ہفتوں اور مہینوں صاف نہیں کیا جاتا۔ اُن میں گاد بیٹھ کر پانی کو گندا کر دیتی ہے۔ مویشی بھی گندا پانی پیتے ہیں۔ عورتیں اور بچے مہینوں نہیں نہاتے اور نہ پہننے کے کپڑے دھوتے ہیں۔ وہی میلے کچیلے کپڑے کئی کئی ہفتوں تک پہنے رہتے ہیں۔ بدن پر میل جمتا رہتا ہے اُسی میلی کچیلی حالت میں عورتیں اور بچے ہاتھوں، پیروں اور گلے میں بھاری بھاری زیور پہنے رہتے ہیں جن کو کبھی دھونے کی نوبت نہیں آتی اور اُن میں میل جمع ہوتا رہتا ہے عورتیں گوبر کے اُپلے تھاپتی ہیں۔ اُن کے چھوٹے بچے گوبر سے کھیلتے ہیں۔ رہنے کے مکان تنگ و تاریک ہوتے ہیں۔ جن میں روشنی اور تازہ ہوا کے آنے کا کوئی انتظام نہیں ہوتا۔ کنوؤں کی حفاظت نہیں کی جاتی۔ نہ اُن کے اوپر سائبان ہوتا ہے کہ اُن کے اندر درختوں کے پتے لکڑی یا خاک نہ گرنے پائے۔ نہ اُن کا منہ ڈھانکنے کا کوئی انتظام ہوتا ہے کہ اُس میں بچے یا راہ گیر گٹھلی، چھلکا یا کوڑا کرکٹ نہ ڈالنے پائیں۔ نہ پانی بھرنے کے لئے ڈول کی کوئی احتیاط کی جاتی ہے۔ ڈول زمین پر رکھ دیا جاتا ہے۔ اُس سے بچے کھیلتے ہیں۔ اُسی ڈول سے پینے کا پانی کھینچا جاتا ہے۔ لوٹے اور ڈول کو آس پاس کی گندی مٹی سے مانج کر مٹی میں سنا ہوا کنوئیں میں ڈال دیتے ہیں۔ غرض گانوں والے صاف پانی اور خالص ہوا کی دو ایسی نعمتوں سے محروم رہتے ہیں جو خدا نے صرف انھیں کے لئے بنائی ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ چوروں کے ڈر سے مکانوں میں کھڑکیاں نہیں رکھتے۔ مگر اُن کو کھڑکیاں نہ ہونے کی کیا پروا ہے۔ جب وہ آنا چاہیں گے تو کھڑکیوں کے بغیر بھی آجائیں گے۔ مگر چور غریبوں کے گھروں میں نہیں آیا کرتے۔ گھر میں زیور اور نقدی کیوں رکھو جو چور آئیں۔ زیور کا دستور ترک کردو اور نقد روپیہ کسی نفع کے کام میں لگادو تاکہ وہ بڑھتا رہے۔ گھر میں روپیہ چھپا کر رکھنے سے کیا فائدہ؟

بند اور تاریک مکانوں میں رہنے سے اور سڑے ہوئے پانی سے، گھرے ہوئے کنوؤں کا پانی پینے سے دیہات کے آدمیوں کی طاقت گھٹتی جارہی ہے اور وہ آئے دن بیماریوں کا شکار رہتے ہیں۔ مگر وہ اپنی حالت درست کرنے کا خیال تک دل میں نہیں لاتے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ جاہل ہوتے ہیں۔ اُن کو یہ نہیں معلوم کہ دوسرے ملکوں میں دیہات کے باشندوں نے کتنی ترقی کی ہے اور اپنی حالت کی کس قدر اصلاح کرلی ہے۔

کسانوں کے دوسرے کام

(از جناب بدیع الدین صاحب نظر متعلم ایم۔ اے بریلی کالج)

کھیتی باڑی اور کاشتکاری کے ساتھ ساتھ کسانوں کے لئے دوسرے مفید کام کرنا نہایت ضروری ہیں۔ دوسرے ملکوں کے کسان اپنی روزی صرف کاشتکاری ہی سے نہیں پیدا کرتے ہیں بلکہ وہ اور دوسرے مفید کاموں میں بھی لگے رہتے ہیں اسی وجہ سے وہ ہمارے ملک کے کسانوں سے زیادہ اچھی حالت میں ہیں مگر ہمارے دیہاتی بھائی صرف کھیتی باڑی کے علاوہ اور کسی کام کو نہیں کرتے ہیں۔ اُن کی مالی حالت دن بدن خراب ہوتی جا رہی ہے۔ کھیتی باڑی میں ان کو اتنی بھی آمدنی نہیں ہوتی کہ وہ دو وقت پیٹ بھر کے کھانا کھالیں اور اپنے جسم کو کپڑوں سے ڈھانپ لیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کھیتی اور کاشتکاری کے ساتھ ساتھ دوسرے کاموں میں لگے رہنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ گاؤں کی آبادی روز بروز بڑھ رہی ہے اور زمین اتنی ہی ہے جتنی پہلے تھی۔ اس کے علاوہ کاشتکاری میں صرف چند ماہ کام کرنا پڑتا ہے اور باقی مہینے بالکل بیکاری میں کاٹے جاتے ہیں۔ اگر ہمارے

کسان بھی مفید کاموں کو کرنے لگیں تو ان کی آمدنی بھی بڑھ جائے اور بیکاری بھی دور ہو جائے۔ اس لئے آیئے ہم آپ کو بتائیں کہ ہمارے ملک کے کسان اور دیہاتی بھائی کن کن مفید کاموں کو کر سکتے ہیں تاکہ ان کی آمدنی بڑھ جائے اور وہ قرض کے بوجھ سے ہلکے ہو جائیں۔

وہ کام جن سے آمدنی کی صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں

دودھ مکھن، دہی کی تجارت اور انڈوں کی تجارت، پھلوں اور ترکاریوں کی کاشت، گڑ بنانا، شہد جمع کرنا وغیرہ ایسے مفید کام ہیں جن سے کسان کسی وقت پیسہ سے خالی نہیں ہو سکتا۔ ان کاموں کے لئے زیادہ سرمایہ کی ضرورت ہے اور نہ محنت کی۔ گھر کی عورتیں اور بچے ان کاموں کو بہترین طریقہ سے کر سکتے ہیں۔

دودھ گھی اور مکھن کی تجارت

دوسرے ملکوں میں کسان گائے بھینس، دودھ اور مکھن کے واسطے پالتے ہیں مگر ہمارے ملک کے دیہاتی لوگ مویشیوں کو کھیتی باڑی، ہل چلانے، گاڑیوں میں جوتنے اور پانی کے نکالنے کے واسطے رکھتے ہیں۔ دودھ اور گھی کی تجارت کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ ایسے ملک میں جہاں گائے کو "ماتا" اور "ماں" کا درجہ حاصل ہو وہاں کروروں روپے کا دودھ باہر سے آئے اور گائے اور بھینس خراب حالت میں رکھی جائیں۔ اگر کسان چاہتے ہیں کہ ان کی حالت

سدھر جائے تو ان کا اوّلین فرض ہے کہ وہ گائے اور بھینس کو دودھ اور گھی کے واسطے پالیں تاکہ ان کی آمدنی زیادہ ہو جائے اور وہ بھی دوسرے ملکوں کے کسانوں کی طرح مالدار ہو جائیں۔

انڈوں اور مرغیوں کی تجارت

انڈوں اور مرغیوں کی تجارت ہندستانیوں کے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے مرغیوں کو ہمارے دیس میں پُرانے زمانے سے پالا جاتا ہے۔ اب بھی بعض جگہ کثرت سے مرغیاں پالی جاتی ہیں اور انڈوں کی تجارت ہوتی ہے مگر یہ تجارت بدانتظامی سے ہوتی ہے اور مرغیاں اچھے اور بہترین طریقہ سے نہیں پالی جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے ہمارے کسان بھائی ان سے پورا پورا فائدہ حاصل نہیں کرتے بلکہ بعض وقت ان کو نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح ہمارے کسان اپنے مویشیوں کی طرف سے غفلت برتتے ہیں اسی طرح سے ان پرندوں کا بھی خیال نہیں کرتے ہیں اور مرغیوں کے فائدے کو بھی نہیں سمجھتے ہیں۔ مرغیوں کے انڈے بہترین مقوّی غذا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان کی بیٹ سب سے اچھی کھاد بناتی ہے۔ ایک مرغی ایک سال میں تقریبًا چالیس سے لے کر اسّی پونڈ تک کھاد دیتی ہے۔ امریکہ کے لوگ اس تجارت سے خوب واقف ہیں اور ان کے ملک میں اس تجارت سے اتنی ہی دولت کمائی جاتی ہے جتنی کہ گیہوں کی تجارت سے پیدا کی جاتی ہے۔ ڈنمارک میں جتنی آمدنی دودھ

اور مکھن سے ہوتی ہے اتنی ہی مرغیوں اور انڈوں کی تجارت سے ہوتی ہے۔ مگر ہمارے ملک میں اس تجارت سے بہت کم دولت کمائی جاتی ہے۔ اگر کسان بھائی چاہیں تو وہ اپنے آپ کو اس تجارت سے مالدار بنا سکتے ہیں۔

ترکاریوں کی پیداوار

ہمارے ملک میں ترکاریوں کی بہت زیادہ ضرورت ہے اور لوگ سبزی کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ ترکاریوں کی کاشت تھوڑی سی زمین میں بھی بخوبی ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے زیادہ پانی کی ضرورت نہیں ہے۔ باورچی خانہ نہانے کا پانی ہی ان کے لئے کافی ہے۔ ان کی تجارت سے کسانوں کو اچھا خاصا نفع ہو سکتا ہے اور روزانہ خرچ کے لئے پیسہ مل سکتے ہیں۔

نوٹ:۔ آئندہ مضمون میں ہم دوسرے مفید کاموں کا ذکر کریں گے۔

محنت

تم کو خیال محنت گر صبح و شام ہو گا ۔ کہتے ہیں بخت جس کو آ کر غلام ہو گا
جو دل کا مدعا ہے حاصل تمام ہو گا ۔ محنت سے کام ہو گا محنت سے نام ہو گا
محنت کرو عزیزو محنت سے کام ہو گا

گر چاہتے ہو عزت محنت سے وہ ملے گی ۔ درکار گر ہے شہرت محنت سے وہ ملے گی
ہے جس کا نام دولت محنت سے وہ ملے گی ۔ کہتے ہیں جس کو قسمت محنت سے وہ ملے گی
محنت کرو عزیزو محنت سے کام ہو گا

کاہل جو ہیں جہاں میں اُن کا مآل دیکھو ۔ افلاس کے سبب سے ہیں خستہ حال دیکھو
سہتے ہیں ہر گھڑی وہ غم سے نڈھال دیکھو ۔ جو لوگ محنتی ہیں وہ ہیں نہال دیکھو
محنت کرو عزیزو محنت سے کام ہو گا

محنت سے اے عزیزو غافل کبھی نہ ہونا ۔ ہشیار چُست رہنا کاہل کبھی نہ ہونا
گر کام سخت بھی ہو بے دل کبھی نہ ہونا ۔ دیکھو اپاہجوں میں شامل کبھی نہ ہونا
محنت کرو عزیزو محنت سے کام ہو گا

(ماخوذ از نصاب مکاتب اسلامیہ حصہ ۲)

بجلی اور اُس سے حفاظت

(از ماسٹر امیر احمد صاحب ظاہر چیری)

بجلی سب سے پہلے اونچے مقامات پر گرتی ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ زیادہ تر اونچے اونچے درختوں، بڑی بڑی حویلیوں پر گرتی ہے ایسی حالت میں جب بجلی چمک رہی ہو اور پانی برس رہا ہو کسی بڑے درخت یا پُرانی عمارت کی پناہ لینا خطرے سے خالی نہیں۔

(۲) بہتے ہوئے پانی کے پاس بھی کھڑے ہونا خوفناک ہے۔

(۳) زیادہ آدمیوں کا ایک جگہ اکٹھا ہونا بھی بجلی کو دعوت دینا ہے

(۴) بجلی کڑکنے اور بادل گرجنے کی حالت میں جواہرات۔ دھات کے برتن اور گھڑیاں اور دوسری چمکدار چیزیں اپنے پاس نہ رکھنا چاہیئے کیونکہ یہ بجلی کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔

(۵) ایسے دنوں میں ریل گاڑی یا مکان کے اندر دیوار سے ٹیک لگا کر نہ بیٹھنا چاہیئے بلکہ بیچ میں سیدھا بیٹھے۔ کیونکہ اگر بجلی گری تو وہ دیواروں پرسے ہو کر گزرے گی۔

(۶) بجلی چٹائیوں پر نہیں گرتی۔ اس لئے اگر کوئی اُن پر بیٹھا ہوگا تو اُس کے

بچ جانے کا خیال ہو سکتا ہے۔ اسی طرح لوہے کے پلنگ پر سونے والا بھی بجلی سے بچ سکتا ہے۔

(۷) اگر آپ میدان میں یا گھر سے باہر ہوں تو دوڑ کر کہیں پناہ نہ لیں بلکہ اپنے کپڑوں کو بھیگ جانے دیں۔ اس سے بجلی کی کشش کم ہو جاتی ہے۔ اگر بجلی گرے بھی تو کپڑوں کی وجہ سے بدن کو نقصان پہونچائے بغیر گزر جائے گی۔

(۸) جس وقت بجلی خوب کڑک رہی ہو تو دوڑنا ہرگز نہ چاہیئے۔ مناسب ہوگا کہ اگر کھڑے ہیں تو بیٹھ جائیں بلکہ لیٹ جانا زیادہ اچھا اور محفوظ طریقہ ہے۔

پھولوں کی ڈالی

قومی۔ اخلاقی اور اسلامی نظموں، رباعیات، قطعات، ترانوں اور گیتوں کا دلگداز اور ولولہ انگیز گلدستہ

جسے

خان بہادر خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری انسپکٹر آف اسکولس یو۔ پی نے

شعرائے قدیم و شعرائے حال کے کلام سے سجایا ہے۔ انتخاب میں ایسے اشعار لئے ہیں کہ جن کا ایک ایک لفظ تیر و نشتر ہے۔ حمد، مناجات، نعت، اخلاق، درس عبرت نصائح، درس عمل، حب وطن اور محبت وغیرہ عنوانات کے تحت میں مؤثر اور مقبول کلام جمع کیا ہے۔ چھوٹے بڑے تمام طور پر پسند کرتے ہیں۔

بچے اس بابرکت مجموعہ کو اپنے بزرگوں کی خدمت میں ہدیتہً پیش کرتے ہیں اور بوڑھے اپنے بچوں کو ان کے اخلاق سنوارنے کے لئے تحفتاً دیتے ہیں۔ آپ بھی اپنے بچوں کو اپنے دوستوں کے بچوں کو تحفۃً دیجئے۔ محکمۂ توسیع تعلیم یو۔ پی نے کئی ہزار جلدیں اپنی لائبریریوں کے لئے خریدی ہیں۔ صرف تھوڑی جلدیں بچ رہی ہیں جو ہاتھوں ہاتھ نکل رہی ہیں۔ آپ دیر نہ لگائیں۔

کاغذ، لکھائی چھپائی عمدہ، ٹائٹل سہ رنگا۔ حجم ۳۵۰ صفحات۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ (۱؎۸)

ملنے کا پتہ

صدیق بک ڈپو۔ لکھنؤ

کوآپریٹو سوسائٹی

کے

ذریعہ گھریلو دستکاریوں کی ترقی

(از جناب مسٹر اسرار النبی انسپکٹر کوآپریٹو سوسائٹیز بارہ بنکی)

گھریلو صنعت وحرفت سے مراد وہ دستکاریاں ہیں جن کو کوئی شخص اپنے گھر والوں کی مدد سے اپنے گھر میں کر سکے۔ گھریلو دستکاریوں کے بارے میں اتنا لکھا اور کہا جا چکا ہے کہ بقول شخصے اب اگر کوئی نئی بات کہی جائے تو وہ سچ نہ ہوگی اور اگر سچ ہوگی تو نئی نہیں ہوسکتی ہے۔ بہر حال مجھے جو کچھ عرض کرنا ہے وہ کوئی نئی بات نہیں ہے یہ زمانہ مشینوں کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ مشینوں کی ایجاد سے پہلے انسان کی قریب قریب تمام ضرورت کی چیزیں ہاتھ ہی سے تیار کی جاتی تھیں لیکن اب مشینوں کی ایجاد ہوجانے سے بہت سی گھریلو دستکاریاں یا تو ختم ہوگئی ہیں یا دم توڑ رہی ہیں اور نوبت یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ اب اگر جلد کوئی صورت اُن کو سنبھالنے یا قائم رکھنے کی نہیں نکالی جاتی تو بھی تباہ ہوئیں گی۔ یوں تو گھریلو دستکاریوں کی فہرست

بہت لمبی ہے۔ لیکن خاص خاص دستکاریاں یہ ہیں:۔

(۱) وہ دستکاریاں جن کا تعلق انسان کے پہننے، اوڑھنے اور بچھانے کی ضروریات سے ہیں۔ مثلاً کپڑا۔ کمبل۔ قالین۔ دری وغیرہ۔

(۲) وہ دستکاریاں جن کا تعلق انسان کی مختلف ضرورتوں سے ہے مثلاً جوتا، چمڑے کی چیزیں، لکڑی کی بنی ہوئی چیزیں۔ بید اور مونج کی بنی ہوئی چیزیں وغیرہ وغیرہ۔

(۳) ایسی دستکاریاں جو انسان کے بناؤ اور سنگار سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً زیور۔ زردوزی کے کام۔ بیل۔ لیس۔ عطر، تیل، صابن وغیرہ۔

(۴) ایسی دستکاریاں جو انسان کی کھانے پینے کی ضرورتوں سے تعلق رکھتی ہیں۔

ہمارے ہندوستان میں کپڑا بُننے والوں کی تعداد ایک کرور کے قریب ہے اور ان کے تیار کئے ہوئے مال کی قیمت قریب قریب چالیس کرور سالانہ ہوتی ہے۔ اس ملک میں جتنا کپڑا صرف ہوتا ہے اُس کا ایک تہائی سے کم حصہ ہاتھ کے بُنے ہوئے کپڑے کا ہے۔ باقی دو تہائی حصے سے زیادہ ملوں کے بُنے ہوئے اور بدیسی کپڑے کا ہے۔

ہندوستان میں اب اتنی ملیں قائم ہو گئی ہیں کہ یہ تعجب ہے کہ غریب جولاہا اب بھی اپنے پیشے کو کسی نہ کسی طرح چلائے جا رہا ہے اور

نہ چلائے تو بیچارہ کرے کیا۔

آج ہر دستکاری کا قریب قریب یہی حال ہے۔ ایک بڑے ماہر اور باخبر انگریز سر الفریڈ چیٹرٹن نے بائیس تیئیس سال پہلے کہا تھا کہ مل کا مقابلہ جس ہمت سے جولاہوں نے کیا۔ اُس سے پتہ چلتا ہے کہ جو پونجی ملوں کے قائم کرنے اور اُن کا کاروبار چلانے میں لگائی جاتی ہے اس کا ایک حصہ بھی اگر کرگھے کی ترقی اور کاروبار پھیلانے میں لگایا جائے تو یقیناً ہاتھ کے بُنے ہوئے کپڑے ملوں کو نیچا دکھا سکیں گے اور کم از کم برابری کا دعویٰ تو ضرور کر سکیں گے۔ اس رائے سے آج بھی غالباً بہت سے لوگوں کو اتفاق ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب تک جولاہے کو کچّا مال مثلاً سوت۔ ریشم۔ وغیرہ سستے بھاؤ پر نہ ملے وہ اپنے کرگھے پر اتنا سستا کپڑا کیوں کر تیار کر سکتا ہے جتنا سستا ملیں بنا کر فروخت کر سکتی ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا بدیشی کپڑے اور سوت کی درآمد پر سرکارِ ہند نے ایک خاص قسم کی ڈیوٹی یا ٹیکس لگا دیا۔

اس چنگی کے لگ جانے سے ولایتی کپڑے کے دام کچھ چڑھ گئے۔ اور ملوں کو بدیشی کپڑے کے مقابلہ میں گھٹی کا اندیشہ نہیں رہا۔ اس طرح ملوں کو تو کافی مدد پہونچ گئی لیکن جولاہے کا بھلا نہ ہوا۔ وہ سوت کے دام عام طور سے چڑھ جانے سے جولاہے کی لاگت بھی بڑھ گئی وہ یہ تو

کر نہیں سکتا کہ اپنے بُنے ہوئے کپڑے کی قیمت ملوں کے بنے ہوئے کپڑوں سے بڑھا دے۔ لہٰذا اس کو مجبوراً اپنا منافع گھٹانا پڑا۔ اب اس کو ایک نئی دقت یہ پیدا ہوگئی ہے کہ جس نمبر کا سوت عام طور پر اپنے کرگھوں پر استعمال کرتا تھا۔ اسی نمبر کے سوت کا کپڑا اب ملیں بھی بنانے لگی ہیں۔ یعنی اب ملوں میں بھی موٹے سوت کا کپڑا بننے لگا۔ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ جولاہوں کی اوسط آمدنی پانچ چھ پیسہ روزانہ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ جولاہے کی زندگی تو ایک معنی کر کے کاشتکار کی زندگی سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ اُس بیچارہ کو تو اپنے ہی کرگھے پر دن بھر ایک تنگ جگہ میں بیٹھ کر کام کرنا پڑتا ہے اور کام بھی اتنا کہ دن کو چھٹی نہ رات کو چین۔ اس سے اس کی تندرستی بھی خراب ہو جاتی ہے۔

کاریگر کی تباہی کے ساتھ ہی ساتھ کپڑا بننے کی دستکاری کی حالت بھی لازمی طور پر روز بروز گرتی جا رہی ہے۔ ورنہ ایک وہ بھی زمانہ تھا جب اسی دیس کی ہاتھوں سے بنائی ململ ولایت میں بھی آنکھوں سے لگائی جاتی تھی۔ خیر غنیمت ہے کہ اب کچھ عرصہ سے کپڑا بُننے کی دستکاری کی سدھار کی طرف سرکار نے توجہ کی ہے اور بدیشی کپڑے اور سوت کی درآمد پر جو ٹیکس وصول ہوتا ہے اس کا ایک حصہ صوبوں کو دے دیتی ہے کہ اس سے وہ کرگھے کے بنے ہوئے کپڑوں کو

ترقی دیں اور اس کی نکاسی کا انتظام کریں۔ لیکن یہ امداد اس قدر کم ہے کہ اس سے ایک کروڑ کپڑا بُننے والوں کی حالت نہیں پنپ سکتی۔ بہر حال شروعات ہو چکی ہے اور امید رکھنی چاہیے کہ آگے چل کر اور سلسلے بھی نکالے جائیں گے۔ جس سے یہ دستکاری جی اُٹھے

ہمارے صوبے کی گورنمنٹ نے ایک امپوریم یعنی بڑی دوکان لکھنؤ میں قائم کر دی ہے جس سے کافی فائدہ پہنچ رہا ہے

تجربہ بتلا رہا ہے کہ جولاہوں کی موجودہ حالت کے سنبھالنے کے لئے کامیاب ذریعہ صرف ایک ہے اور وہ کوآپریٹو سوسائٹی یعنی جماعت امداد باہمی یا سہیوگ کی پنچائت ہے۔

کرگھے کی دستکاری کو ترقی دینے کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ اول سرمایہ کی، دوسرے کسی ہوشیار آدمی کی جو نئے نمونہ بنانے میں اور اچھا مال تیار کرنے میں مشورہ دے سکے۔ تیسرے مال کی نکاسی کا انتظام۔ ان میں سے کسی ایک یا دو سہولتوں کے پہنچانے سے کام نہیں چل سکتا۔ بلکہ ضرورت یہ ہے کہ تینوں سہولتیں ایک ساتھ پہنچائی جائیں اور یہ کام صرف کوآپریٹو سوسائٹی ہی کے ذریعہ سے پورا ہو سکتا ہے۔

کوآپریٹو سوسائٹیاں پونجی اکٹھا کریں گی۔ کچا مال۔ مثلاً سوت ریشم رنگ وغیرہ تھوک خرید کریں گی اور ممبروں کے ہاتھ سستے دام پر فروخت

کریں گی۔ باہر عملہ کے ذریعے سے جس کو سرکار مقرر کرے گی جولاہوں کو نئے نئے نمونے کے اور اس قسم کے کپڑے بنانے میں مشورہ دیں گے۔ جن کی مانگ ، ہو گی۔ اس کے علاوہ جا بجا اسٹور یا دوکانیں قائم کر کے تیار شدہ مال کے فروخت کا انتظام بھی کریں گی۔ چونکہ کوآپریٹو سوسائٹیوں کا منشار یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ کارخانہ داروں یا دوکانداروں کی طرح کپڑا بنانے والوں کا پیٹ کاٹ کے نفع اُٹھائیں۔ اس لئے یہ پنچائتیں کاروبار میں جتنا بھی نفع اٹھائیں گی وہ سب کسی نہ کسی شکل میں ممبروں ہی کو پہونچ جاوے گا۔

جولاہوں کی کوآپریٹو سوسائٹی حقیقت میں ایک بڑا کارخانہ ہوگا۔ فرق صرف اتنا ہوگا اور یہ بہت بڑا فرق ہوگا کہ اس میں کارخانہ دار کوئی ایک شخص نہ ہوگا بلکہ جو جولاہے اس سوسائٹی میں شریک ہوں گے وہ سب کے سب کارخانہ دار بن جاویں گے اور منافع میں سب کا حصہ اپنے اپنے کاروبار کے مطابق ہوگا۔ اس میں کارخانہ دار کی غلامی نہیں رہتی بلکہ ہر چھوٹا اور بڑا ایک حیثیت سے شریک ہوتا ہے اور ہر ایک کے حق یکساں ہوتے ہیں۔

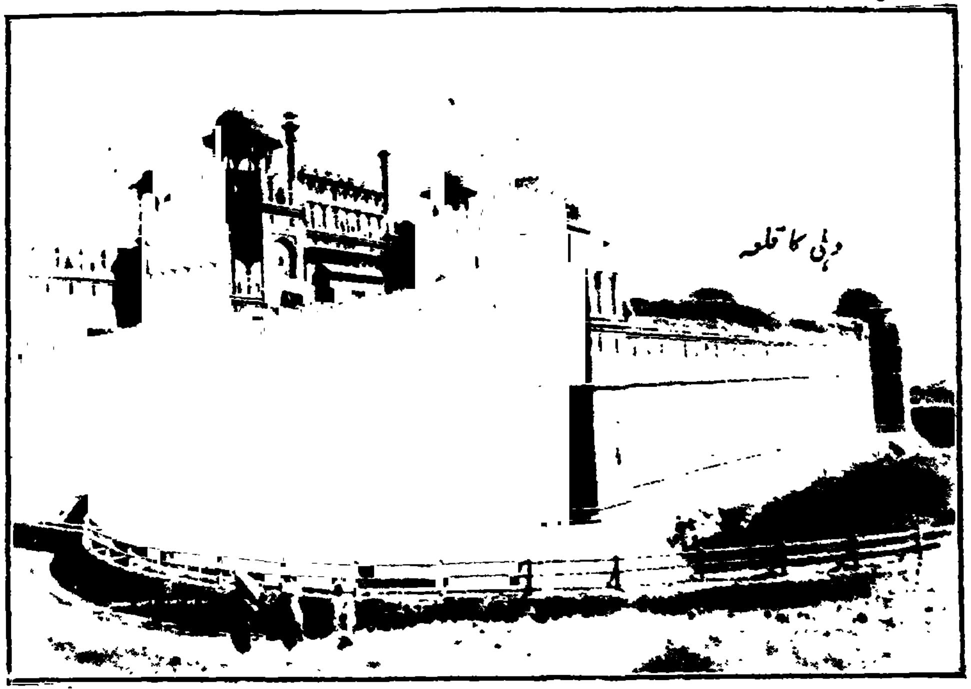
ہمارے صوبے کی سرکار نے حال میں اس قسم کی سوسائٹیوں کے قائم کرنے اور اُن کو ترقی دینے کے لئے ایک اسکیم منظور کر لی ہے اور یقین ہے

کہ اس اسکیم سے جولاہوں کو کافی فائدہ پہنچے گا۔

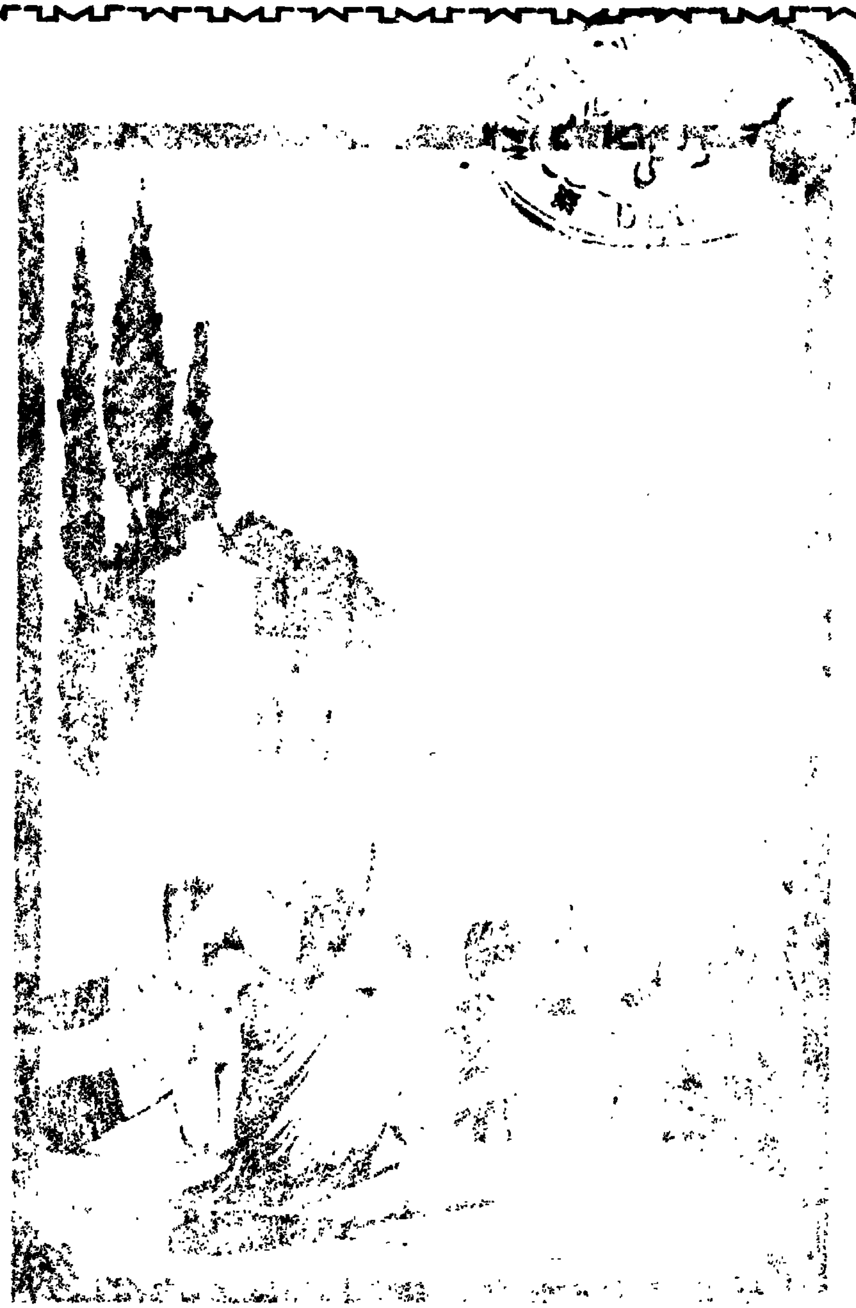
اس صوبے میں جا بجا اس قسم کی سوسائٹیاں قائم ہیں اور کیجا رہی ہیں لکھنؤ سے قریب ہی ضلع بارہ بنکی میں ایک بڑی کوآپریٹو سوسائٹی قائم ہے جس کا نام مین انڈسٹریل فیڈریشن ہے۔ اس کے ماتحت اس وقت سات چھوٹی چھوٹی سوسائٹیاں ہیں جن میں سے چھ سوسائٹیاں کپڑا بُننے والوں کی ہیں اور ایک کپڑا بنانے والوں کی ہے۔ یہ فیڈریشن بالکل اسی طریقہ پر کام کر رہا ہے جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں۔ امسال فیڈریشن نے ۲۰۰۰۰ روپیہ کا سوت تھوک خرید کر کے اپنی چھوٹی سوسائٹی کی معرفت کپڑا بُننے والے ممبروں کو دیا اور عمدہ نمونے کے اور اس قسم کے کپڑے تیار کرائے جن کی مانگ زیادہ ہے۔ تیار شدہ مال کی بکری کا انتظام یہ ہے کہ صدر مقام پر ایک عمدہ دوکان ہے جس پر کافی بکری ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ لکھنؤ کے امپوریم کے ذریعہ سے بھی اچھی نکاسی ہو جاتی ہے۔ امسال فیڈریشن کا کاروبار پچاس ہزار سے کچھ زیادہ کا ہوا اور ان جلاہوں کی آمدنی جو کوآپریٹو سوسائٹی کے ممبر تھے بمقابلہ دوسر جولاہوں کے قریب قریب دُگنی اور تگنی ہو گئی۔ مگر اس فیڈریشن کی مدد ضلع کے صرف ڈیڑھ سو کرگھوں کو پہونچ سکی۔ حالانکہ قریب قریب چھ ہزار کرگھے کام کر رہے ہیں اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہم کو کس قدر پونجی اور کام کرنے والے آدمیوں کی

ضرورت ہے۔ بہرحال ہمت ہارنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ہمارے ملک میں روپیہ والوں کی کمی نہیں ہے جو کرگھے کی ترقی میں اپنا روپیہ نہ لگا سکیں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے جو اپنے غریب بھائیوں کی حالت سدھارنے کے لئے کمر باندھنے کو تیار نہ ہوں۔ اس کے علاوہ دیہات میں باوجود اس کے کہ مل کا بُنا ہوا کپڑا پھیل گیا ہے لیکن پھر بھی ہمارے دیہاتی بھائی اکثر ہاتھ کے بنے ہوئے کپڑے کو پسند کرتے ہیں۔ صوبہ بمبئی میں مہاراشٹر اور کرناٹک کی عورتیں ہاتھ کی بنی ہوئی ساڑیاں مل کی بنی ہوئی ساڑیوں سے زیادہ پسند کرتی ہیں۔ کرگھے کے بنے ہوئے کپڑے میں ایک خاص بات ہے جو مل کے بنے ہوئے کپڑے میں نہیں ہو سکتی یعنی کرگھے پر کپڑے کا عرض اور ڈزائن (نمونہ) وغیرہ جب چاہیں تبدیل کیا جا سکتا ہے جو مل میں نہیں ہو سکتا اسکے علاوہ کرگھے کا بنا ہوا کپڑا زیادہ پائدار بھی ہوتا ہے اگر عمدہ اور موجودہ فیشن کے مطابق کرگھے پر کپڑے تیار کئے جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ کامیابی نہ ہو۔ سب سے بہتر طریقہ غریبوں کی حالت سنبھالنے کا مہاتما گاندھی نے بتلا دیا ہے وہ چرخہ ہے اور جولاہوں کو چاہیئے کہ اس سے پورا فائدہ اٹھائیں۔ جولاہوں کو اپنے پرانے طریقہ پر پھر لوٹنا چاہیئے یعنی ہاتھ کے کاتے ہوئے سوت سے کپڑا بننا شروع کر دینا چاہیئے۔ اس میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ عورتیں اور بچے بھی سوت کات کر آمدنی کچھ بڑھا سکیں گے۔ اسی خیال سے ضلع بارہ بنکی میں قصبہ ایچولی کے جلاہوں کی سوسائٹی میں چرخہ کا استعمال شروع کر دیا گیا ہے۔ بہرحال جس دستکاری سے ایک کروڑ آدمیوں کی پرورش ہوتی ہو وہ یقیناً ہر ممکن مدد کی مستحق ہے۔

(ماخوذ از رسالہ "ھل" الٰہ آباد)


دہلی کا قلعہ

Regd. No. A-623



ازنسیم انہونری

قیمت دو روپیه

The cover printed at the Central Press Limited, La-Touche Road, Lucknow.



[illegible] بچوں کے لئے رسالہ

[illegible]

قیمت فی پرچہ [illegible]

شفیق شاہ [illegible]

نمبر [illegible]	ماہ اکتوبر ۱۹۴۱ء	جلد [illegible]

فہرست مضامین

عرض حال

ازاڈیٹر

ہمارے صوبہ کے کسان مالی مشکلات میں اس لئے اور بھی گرفتار ہیں کہ یہ عام طور پر ایک دوسرے کا اعتبار نہیں کرتا اور ضرورت کے وقت آپس داری کے طور پر ایک دوسرے کو قرض نہیں دیتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض کسانوں کے پاس اچھی خاصی نقدی ہوتی ہے اور وہ بیکار پڑی رہتی ہے اور بعض کسان روپیہ نہ ہونے کے باعث کبھی کبھی کھیت میں بونے کے لئے بیج بھی نہیں خرید سکتے اور اگر ایک بیل نہ ہوا تو کھیتی پڑی رہ گئی، اگر بیل خریدنے کے لئے روپئے نہ مہیا ہو سکے اور اگر مہاجن سے سودی قرض لیا تو اصل سے کئی گنا زیادہ ادا کرنے کے بعد بھی چھٹکارا نہیں ہوتا، سرکار نے اب تو مہاجنوں سے چھٹکارا پانے کے لئے قانون بنا دیا ہے لیکن پھر بھی ضرورت بری بلا ہوتی ہے۔ مہاجن دس قرض دے کر دو روپیہ پہلے ہی سے سود میں کاٹ لیتا ہے اور دس روپیہ کا عذر پر لکھوا تا ہے۔ قانون سے کسانوں کا مطلب نہیں نکل سکتا۔ ان کا بھلا تو

اس میں ہے کہ وہ گاؤں میں کوآپریٹو سوسائٹی بنائیں اور اس سوسائٹی کے ممبر بن کر تھوڑی تھوڑی پونجی اس میں لگائیں۔ اس طور پر دیہاتی بنک چھوٹے پیمانہ پر چالو ہو جائے گا اور مالدار کسانوں کو تہرا نفع ہوگا۔ اوّل یہ کہ روپیہ کی حفاظت سے چھٹی ملے گی اور چور چکار کا ڈر نہ رہے گا اور دوسرے اس کا مناسب سود بھی حاصل ہوگا اور اگر کوئی کسان سود نہ لینا چاہے تو کسی خیراتی کام میں دے کر دوسروں کا بھلا کرے اور تیسرا نفع یہ ہے کہ گاؤں کے دوسرے ضرورت مند کسانوں کو اس روپیہ سے وقت پر مدد ملے گی اور وہ اپنے ضروری کاموں کو اس دیہاتی بنک سے قرض لے کر چلا لیں گے اور اس طرح بلا مہاجن کے چنگل میں پھنسے ہوئے ان کی مشکل آسان ہو جائے گی۔ اگر بروقت ضرورت مناسب سود پر دیہاتی بنک سے قرض مل جایا کرے تو کسانوں کی غریبی دور ہو سکتی ہے۔ کبھی کبھی کسان کی پیداوار کا بھاؤ بہت سستا ہوتا ہے لیکن وہ اپنی ضرورت کے لئے بھی وہ چیز گھر میں نہیں رکھتا بلکہ روپیہ کی ادائی کے لئے اونے پونے بیچ ڈالتا ہے اور پھر بعد میں ایک ایک کے دو دو اور تین تین دے کر بنیے سے خریدتا ہے۔ مثلاً سال گزشتہ گڑ کا بھاؤ بہت سستا تھا۔ بعض کسانوں نے اپنا گڑ روپیہ کا بیس پچیس سیر بیچ ڈالا۔ اس لئے کہ بلا بیچے کام چلنا مشکل تھا اور روپیہ

کہیں اور سے ملنے کا سہارا نہیں تھا اور کچھ دنوں کے بعد وہی گڑ روپیہ کا پچھ سیر خریدتا رہا۔

کبھی کبھی اناج کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ غریب کسان لگان اور مہاجن کا قرض وغیرہ ادا کرنے کے لئے فصل پر اپنا باجرہ جُوار روپیہ کا بیس پچیس سیر بیچ ڈالتا ہے اور فصل کے بعد بنیئے سے بارہ تیرہ سیر کا خرید کر کھاتا ہے اور اس طرح سے کسان کی آدھی کمائی بنیا کھا جاتا ہے۔ یہ بہت سوچ بچار کی بات ہے۔ بھولا بھالا کسان ان باتوں پر دھیان نہیں دیتا۔ اگر دیہاتی بنک سے کسان کو روپیہ مل جایا کرے تو کاہے کو بنیا آدھے کا ساجھی ہو۔ اپنے بنک سے مناسب سود پر قرض لے کر کام نکالا جائے اور مناسب موقع سے کسان اپنی پیداوار بیچے دیہاتی بنک کا سود گھوم پھر کر گاؤں ہی میں رہتا ہے۔ کسانوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ مل کر اپنے گاؤں میں دیہاتی بنک کھلوائیں اور روپیہ پیسہ کی مشکل حل کر لیں۔

اڈلٹ اسکول کے مدرسین کو چاہیئے کہ وہ گاؤں کے لوگوں کو ترقی کی باتیں پڑھائیں۔ اُن کا کام لوگوں کو حرف پہچنوانا نہیں ہے بلکہ اصل پڑھائی یہ ہے کہ کسانوں کو خوش حال بنانے کی سب باتیں ان کو سمجھائی جائیں۔

خواجہ اجمیری

(از مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی)

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کو کون نہیں جانتا۔ وہ خواجہ غریب نواز کے لقب سے مشہور ہیں۔ اُن کے مزار پر سال میں ایک دفعہ رجب کے مہینے میں بڑی دھوم دھام سے عرس ہوتا ہے ہندوستان کے شہروں سے لاکھوں آدمی اجمیر شریف جا کے عرس میں شریک ہوتے اور روحانی فیض حاصل کرتے ہیں۔ کئی دنوں تک محفلیں رہتی ہیں پھر قُل ہو جانے کے بعد زائرین واپس چلے آتے ہیں۔ حال وقال کی محفلوں میں اُن کے گُن گائے جاتے ہیں اور اُن کے واسطے سے عقیدت مند منّت مرادیں مانتے ہیں۔

خواجہ غریب نواز چھٹی صدی ہجری کے اخیر میں سجستان میں پیدا ہوئے تھے۔ اُن کا پیدائشی نام محمد حسن اور اُن کے والد کا نام خواجہ غیاث الدین حسن تھا۔ ابھی خواجہ غریب نواز کا سن پندرہ برس ہی کا تھا کہ سر سے باپ کا سایہ اُٹھ گیا۔ اُنھیں ترکے میں صرف ایک

باغ اور ایک پن چکی ملی اُسی سے گزر بسر کرنے لگے۔

ایک دن خواجہ غریب نواز باغ میں پانی دے رہے کہ اُس زمانہ کے مشہور مجذوب بزرگ ابراہیم قندوزی وہاں پہنچ گئے۔ خواجہ صاحب نے دوڑ کر اُن کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ پھر عزت و احترام سے گھنیرے درخت کے سائے میں بٹھا کر انگور کا خوشہ (گچھا) پیش کیا۔

ابراہیم قندوزی اُن کی ارادت مندی سے خوش ہو گئے اور کچھ ایسی نظر ڈالی کہ خواجہ غریب نواز کا دل دنیا سے ہٹ گیا۔ انھوں نے باغ اور جائداد بیچ کر غریبوں، محتاجوں کو بانٹ دی۔ پھر تھوڑے دنوں کے بعد سجستان سے نکل کر سمرقند چلے آئے۔ سمرقند میں دل نہ لگا تو پھرتے پھراتے بخارا پہونچے۔ وہاں بہت دنوں قیام کر کے لکھنا پڑھنا سیکھا۔ قرآن شریف حفظ کیا۔ علم و فضل حاصل کرنے سے چھٹی ہوئی تو عراق کا ارادہ کیا۔ کربلائے معلّٰی پہنچ کر کچھ دنوں حضرت امام حسینؓ کے روضہ پر بسر کی۔ پھر وہاں سے کوچ کر کے نیشاپور پہنچے۔ نیشاپور کے قریب ہارون نام کا ایک قصبہ تھا۔ اس قصبہ میں زمانے کے مشہور بزرگ شیخ عثمان ہارونی رہتے تھے۔ اُن کی شہرت سُنی تو خواجہ صاحب ہارون آ کے شیخ عثمان ہارونی کی خدمت

میں حاضر ہوئے۔ اُن کے کشف وکرامات دیکھے اور مرید ہو کر ڈھائی برس تک روحانی فیض حاصل کرتے رہے۔

شیخ عثمان ہارونی کی ارادت کا سلسلہ چودہ ۱۴ واسطوں سے امیرالمومنین حضرت علیؓ ابن ابی طالب تک پہنچتا ہے۔ ہرات کا ایک موضع چشت کے نام سے پکارا جاتا ہے اور اس سلسلے کے اکثر اہل اللہ اسی موضع کے رہنے والے تھے۔ خواجہ غریب نواز بھی اسی سلسلے والے ایک بزرگ کے مرید ہوئے تھے اس لئے وہ چشتی مشہور ہو گئے۔

شیخ عثمان ہارونی سے خلافت کا خرقہ لے کر خواجہ صاحب بغداد روانہ ہو گئے۔ بغداد میں تھوڑے دنوں قیام کیا تھا کہ شیخ ابو سعید تبریزی کی تعریف سُن کر اُن کی ملاقات کو تبریز چل کھڑے ہوئے اور وہاں پہنچ کے اُن سے نیاز حاصل کیا۔

خواجہ غریب نواز روحانی اور نفسانی ریاضت کے دنوں میں روزے پر روزہ رکھا کرتے تھے۔ سات سات دن تک کچھ کھاتے پیتے نہ تھے۔ کئی روز گزر جانے پر صرف ایک روٹی پانی میں بھگو کر کھاتے اور رازق کا شکر کرتے تھے۔ رات میں بہت کم سوتے تھے۔ اکثر خدا کی یاد اور نماز شب میں مشغول رہتے

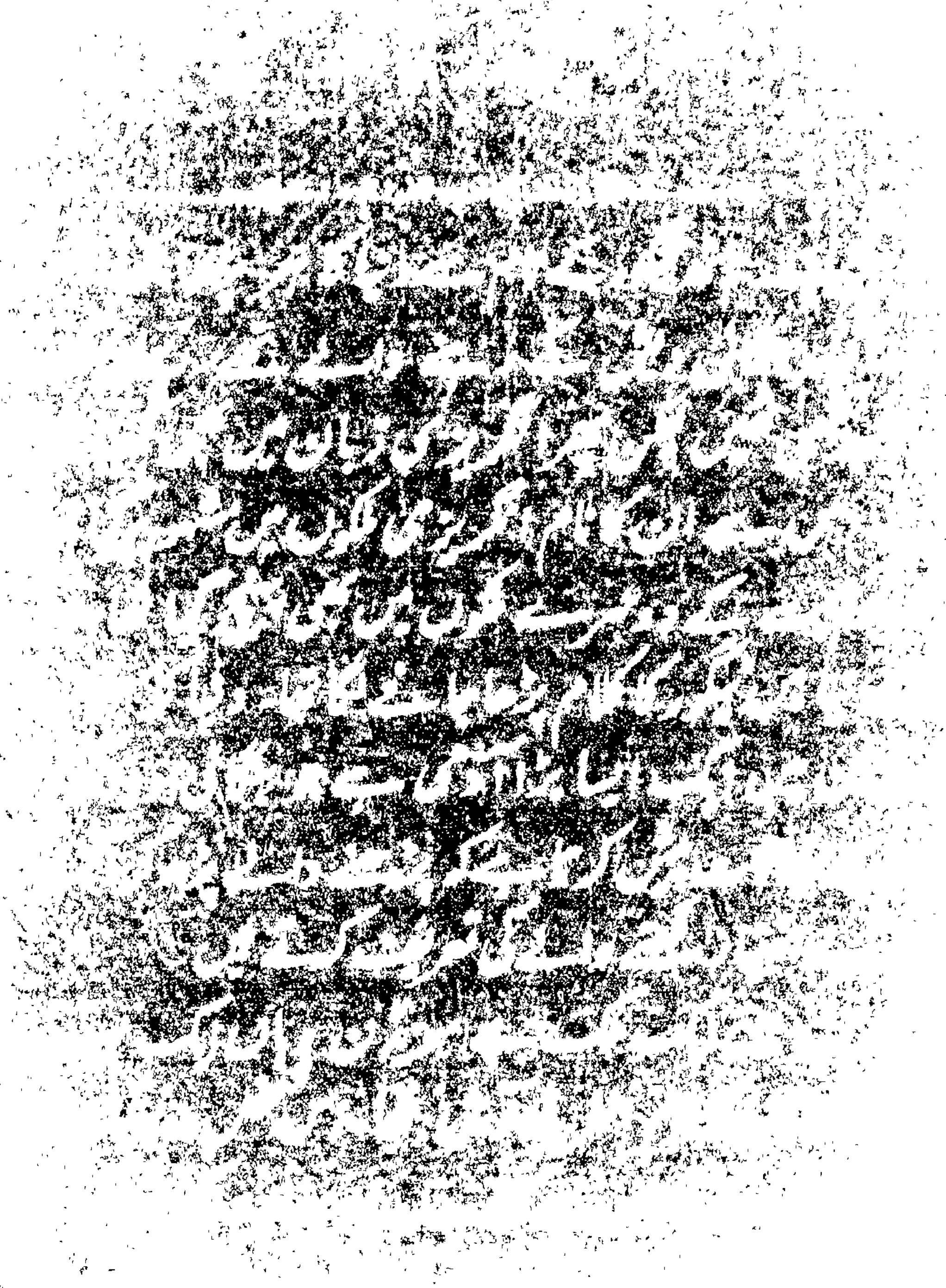
تھے۔ پہننے کو فقط ایک دوہر تھی جب وہ کہیں سے پھٹ جاتی تھی تو اپنے ہاتھ سے سی لیتے تھے۔ اصفہان میں خواجہ بختیار کاکیؒ مرید ہوئے تو وہ دوہر انھیں بخش دی۔ اُن سے شیخ فریدالدین گنج شکرؒ اور شیخ فریدالدین گنج شکر سے نظام الدینؒ اولیاء کو پہنچی پھر نظام الدینؒ اولیاء نے شیخ نصیرالدینؒ چراغ دہلی کو عطا کی۔

خواجہ غریب نواز جم کر کہیں قیام نہیں کرتے تھے ہمیشہ ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے رہتے تھے۔ بزرگوں اور اللہ والوں سے ملنے کا بڑا شوق تھا، اُن زمانے کا شاید ہی کوئی بزرگ ایسا بچ رہا ہو جس سے ملاقات کرنیکا اتفاق نہ ہوا ہو۔

وہ شہروں شہروں گھومتے، اہل اللہ سے ملتے جلتے ہوئے ہندوستان میں وارد ہوئے۔ تھوڑے دنوں لاہور میں سستائے، پھر دہلی چلے آئے۔ لیکن لوگوں کے ہجوم اور عقیدت مندوں کی بھیڑ بھاڑ سے گھبرا کے اجمیر کی طرف کوچ کر دیا۔

۱۰ محرم ۵۶۱ھ میں اجمیر پہنچ کر ہمیشہ کے لئے ڈیرا ڈال دیا۔ خواجہ صاحب کی برکت سے یہاں دین اسلام پھلا پھولا اور خوب پھیلا۔

یہیں خواجہ صاحب نے گورنر کے چچا وجہ الدین محمد مشہدی کی صاحبزادی سے شادی کر لی۔ اور اُن سے بڑھاپے میں خدا نے عنایت کئے۔ بیاہ کے سات برس کے بعد ستانوے ۹۷ سال کی عمر میں چھ ۶ رجب ۶۳۲ھ میں وصال ہو گیا۔ ع رہے نام اللہ کا۔



رہے۔ اس نے ایک بڑی بھاری رقم ایک بنک میں جمع کر دی اور کچھ بڑے بڑے آدمیوں کی کمیٹی بنائی اور کہا کہ تم لوگ یہ دیکھو کہ دنیا بھر میں کون کون سے لوگ بڑے بڑے کام کرتے ہیں جو آدمی بہت ہی بڑا کام کرے اس کو ایک انعام دیدو اور یہ انعام تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپیہ کا ہو اور کام بھی کوئی ہو اور کسی علم سے ہو چاہے وہ حساب کا کام ہو، چاہے سائنس کا ہو، چاہے شاعری اور ناول لکھنے کا ہو لیکن شرط یہی تھی کہ انعام پانے والا ایسا آدمی ہو کہ اس کے ٹکر کا آدمی، اسی علم میں دوسرا نہ نکلے۔ اب سوچو تو سہی کہ الفریڈ نوبل نے کتنا روپیہ بنک میں جمع کیا ہوگا کہ صرف اس کے سود ہی سے ہر سال تین چار انعامات ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے دنیا کے بڑے بڑے عالموں کو مل جائیں۔ خیر ہمارے ہندوستان میں رابندر ناتھ ٹیگور کو سب سے پہلے یہ انعام جس کو نوبل پرائز کہتے ہیں، ملا۔ یہ سنہ ۱۹۱۳ء کی بات ہے۔ ٹیگور کے بعد ایک اور صاحب کو ہندوستان میں یہ انعام ملا ہے۔

رابندر ناتھ ٹیگور کلکتہ کے ایک بہت بڑے خاندان میں پیدا ہوئے..... یہ لوگ ٹھاکر کہلاتے تھے مگر انگریزی اثر سے لفظ ٹھاکر کو ٹیگور کر لیا گیا۔ رابندر ناتھ کے باپ دادا اور بھائی اور چچازاد

بھائی سب انگریزی راج میں بڑے بڑے عہدوں پر رہے۔ رابندرناتھ ۶۔ مئی ۱۸۶۱ء کو پیدا ہوئے تھے۔ بچپن ہی میں والد کا انتقال ہوچکا تھا، ان کے والد نے ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا تھا مگر اسکول کے نام سے ان کو سخت نفرت تھی اور ان کی خواہش یہ رہی کہ گھر پر اپنی مرضی کے مطابق علم حاصل کیا جائے۔ اکثر یہ اپنے والد کے ساتھ دور دراز شہروں اور ملکوں کی سیاحت کو جاتے تھے جن سے ان کی معلومات میں بہت اضافہ ہوتا تھا۔

رابندرناتھ پہلے پہل ۱۸۷۷ء میں ولایت گئے تھے۔ اس وقت ان کی عمر صرف سولہ برس کی تھی۔ یعنی ابھی لڑکپن بھی نہیں ختم ہوا تھا اس زمانہ میں انھوں نے بنگالی زبان میں نظمیں لکھنا شروع کیا۔ مگر وہ اتنی اچھی نہیں تھیں کہ ایک دم سب لوگ ان کی تعریف کرتے۔ ولایت سے وہ ایک برس کے بعد ہی چلے آئے اور وہاں سے کچھ خوش نہیں آئے۔

ولایت سے آنے کے بعد ان کا مشغلہ لکھنے لکھانے کا برابر جاری رہا آپ نے کئی کتابیں شائع کیں جن میں سے "شام کے گیت" اور "صبح کے گیت"، "قدرت کا بدلہ"۔ "راہو سے پریم" وغیرہ کتابیں بہت مقبول ہوئیں اسی زمانہ میں آپ نے شریمتی مرنیا دیوی سے دسمبر ۱۸۸۳ء میں شادی کرلی اور لکھنے پڑھنے میں پہلے سے زیادہ لگ گئے۔ آپ نے بنگال میں

علم و ادب کی انجمن جاری کرنے کی بہت کوشش کی۔ اسی سلسلہ میں ایک ماہوار رسالہ "بالکا" بھی جاری کیا۔ جو بچّوں کے لئے تھا۔ اس رسالہ نے بہت شہرت حاصل کی۔ نوجوان طبقہ نے ٹیگور کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کی نظموں کو اور دوسرے مضامین کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ ان ہی دنوں میں رابندر ناتھ کی دوستی بنگال کے بڑے زبردست ناول نویس بنکم چندر چیٹر جی سے ہو گئی۔ یہ دوستی بہت دنوں تک قائم نہیں رہی کیونکہ مذہب کے معاملہ میں دونوں میں نااتفاقی ہو گئی۔

رابندر ناتھ چاہتے تھے کہ ایسی جگہ جا کر رہیں کہ دنیا کی پریشانیاں ان کو دق نہ کریں اور اطمینان کے ساتھ اپنے لکھنے میں لگے رہیں۔ چنانچہ ۱۸۸۰ء میں وہ غازی پور چلے آئے اور ان کا ارادہ ہوا کہ جنگلی سڑک پر بیل گاڑی میں ایک لمبا سفر اختیار کریں اور پشاور جاویں لیکن ان کا ارادہ پورا نہ ہوا۔ ان کے پتاجی نے لکھا کہ تم فوراً آکر جائداد کا کام سنبھالو۔ اس لئے چار و نا چار آپ کلکتہ واپس آئے، اور دریائے گنگا کے کنارے شیلدا نامی قصبہ میں رہنے لگے یہاں بھی ان کے والد کی جائداد تھی۔

خیال تو یہ تھا کہ کام کاج میں رابندر ناتھ اپنے من کا کام اچھی طرح نہ کر سکیں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا، گاؤں میں پہنچ کر ٹیگور کو بہت

فائدہ ہوا۔ ان کو قدرت کے اور ایشور کے حیرت انگیز کاموں کو دیکھنے کا پورا موقع ملا۔ ہرے بھرے کھیتوں نے، صبح کی دلکش ہوا نے، چڑیوں کے چہچہانے نے، پھولوں کی مست خوشبو نے ان کے دل پر اور ان کی روح پر جادو کا اثر کیا۔ غریب لوگوں کی دنیا نے اور دکھی کسانوں کی پریشانیوں نے ان کے خیالات میں ہل چل پیدا کر دی۔ اب جو انھوں نے کتابیں لکھیں تو اُن کا رنگ ہی کچھ اور تھا، ان میں ایشور بھگتی تھی۔ پریم تھا۔ غریب سے محبت تھی، دنیا کی باتوں سے بیزاری تھی اور کسی ایسی دنیا کی آرزو تھی جہاں شانتی ہو۔ پریم ہو اور غریبوں سے محبت ہو۔ اس زمانہ کی جو کتابیں لکھی گئیں ان میں ایک ناٹک "قربانی" بہت مقبول ہوا اور اس نے رابندر ناتھ کو بنگلہ لکھنے والوں کی صف میں سب سے آگے لا کر کھڑا کر دیا۔

اب ٹیگور نے اپنی توجہ ملک کی طرف کی۔ اس زمانہ میں انگریزی راج نے بنگال کے دو حصّہ کرنے کی تجویز پیش کی، اس کے خلاف بنگالیوں میں بڑا زبردست تہلکہ مچا ہوا تھا، ٹیگور نے بھی اپنے بھائیوں کا ساتھ دیا اور سرکار کی اسکیم کے خلاف بہت سی تقریریں کیں اور بڑے بڑے مضامین لکھے۔ آپ نے کئی نظمیں لکھیں جن کو چھوٹے چھوٹے بچّے گلی کوچوں میں گاتے پھرتے ہیں۔

رابندر ناتھ انگریزی راج کے خلاف ہمیشہ رہے۔ لیکن ان میں اور دوسرے ۔۔۔انوں میں بڑا بھاری فرق ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ ہمیں انگریزی راج سے بہت کچھ ملا ہے۔ یہ ہمارے کرم ہیں جن سے ہم اتنے گر گئے ہیں اگر ہم اپنے اندر مرہٹوں، راجپوتوں افغانوں اور سکھوں کی سی بہادری پیدا کرلیں اور اپنے جیون کو سچائی، پاکی اور شرافت کے سانچے میں ڈھال لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم جلد ہی ترقی کی سیڑھیوں پر نہ چڑھ جائیں۔ اسی خیال کی وجہ سے ٹیگور نے بنگال میں بولپور سے دو میل کے فاصلہ پر ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی، جس کا نام "شانتی نکیتن" ہے۔ یہ مدرسہ ترقی کرتا کرتا اب بہت بڑھ گیا ہے اور اس میں انگریزی کالجوں کے بی۔ اے، ایم۔ اے کے برابر تک تعلیم دی جاتی ہے۔ اس مدرسہ کے پیچھے ٹیگور نے اپنے آپ کو تج دیا تھا۔ اس کی خوبی یہ ہے کہ اس میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ پرانے زمانہ کے ۔۔۔۔۔ رشیوں منیوں کے ڈھنگ سے دی جاتی ہے وہاں خدا اور اُس کی قدرت سے محبت کرنا سکھایا جاتا ہے۔ کھلی اور تازہ ہوا میں بچوں کو سبق دئے جاتے ہیں، ان کو گانا بجانا، تصویریں بنانا اور دوسرے ایسے فنون سکھائے جاتے ہیں جو ان کی روح کو پاک کرنے میں مدد دیں۔ وہاں بڑے بڑے اُستاد ٹیگور کی طرح اپنے بھائیوں کی

مدد کے واسطے بہت تھوڑی تنخواہ پر کام کرتے ہیں۔ دنیا کے ہر ملک سے یاتری شانتی نکتین کو دیکھنے پہونچتے ہیں اور جب وہ اپنے اپنے دیسوں کو واپس جاتے ہیں تو اس کی بہت بڑائی کرتے ہیں۔

ٹیگور کے جیون میں ایک زمانہ ایسا آیا جب کہ وہ بہت دُکھی ہوئے ان کو اپنے تن کا بھی ہوش نہیں رہا۔ سنہ ۱۹۰۲ء کا قصہ ہے۔ اس سال نومبر کے مہینہ میں ان کی پیاری بیوی انتقال کر گئیں ان کی لڑکی دق کے مہلک مرض میں گرفتار تھی۔ اس کو بچانے کے لئے سب کچھ کیا گیا مگر قضا کے آگے کس کی چل سکتی ہے۔ سنہ ۱۹۰۴ء میں وہ بھی فوت ہو گئی۔ اس کے بعد اگلے سال ان کے پتا چل بسے اور پھر دو سال کے بعد اُن کا پیارا لڑکا مونگھیر دنیا سے منھ موڑ گیا۔ ان پے درپے صدمات نے ٹیگور کو بہت دُکھ دیا۔ رنج اور غم نے ان کی حالت خراب کر دی۔ مگر پھر بھی ان مصیبتوں کو بڑی ہمت سے برداشت کیا۔ ان کے دل کی حالت کا اندازہ اس زمانہ کی لکھی ہوئی نظموں سے چلتا ہے۔

رابندرناتھ کئی دفعہ ملک کی سیاست میں حصہ لینے کو میدان میں آئے لیکن ہر دفعہ ان کو جلد ہی اس میدان کو چھوڑ دینا پڑا۔ ان کے خیالات میں اور کانگریس کے خیالات میں بڑا فرق تھا۔ آپ کئی مرتبہ ولایت گئے مگر ہر مرتبہ ان کو مایوسی ہوئی۔ البتہ سنہ ۱۹۱۲ء

میں جب آپ پھر لندن تشریف لے گئے تو اس مرتبہ آپ کی ملاقات ولایت کے کئی بڑے بڑے شاعروں سے ہوگئی۔ ان لوگوں کی ضد سے ٹیگور نے اپنی کئی کتابوں کے ترجمے انگریزی میں کرڈالے۔ جن کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اور فوراً ایک انگریزی کتب فروش ان کو چھاپنے کے لئے تیار ہو گیا۔ چنانچہ سب سے پہلے ٹیگور کی مشہور کتاب "گیتان جلی" کا انگریزی ترجمہ اہتمام سے شائع ہوا اور ہاتھوں ہاتھ بک گیا۔ اب تو ٹیگور کا نام انگریزی ملکوں میں پھیلنے لگا۔ ۱۹۱۳ء میں ٹیگور امریکہ گئے وہاں بھی ان کی بہت بڑائی ہوئی۔ اور جب وہ وہاں سے واپس آئے تو جلد ہی ان کو نوبل پرائز مل گیا جو دنیا کا سب سے بڑا انعام سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بعد ہی چاروں طرف سے خطابات اور انعامات کی بارش ہونے لگی۔ کلکتہ یونیورسٹی نے بڑی بڑی ڈگریاں آپ پر نچھاور کیں اور سرکار نے "سر" کا خطاب عطا فرمایا۔ دنیا کے دوسرے ملکوں سے آپ کے پاس بلاوے آئے کہ آپ آئیں اور لکچر دیں۔ چنانچہ ۱۹۱۶ء میں آپ جاپان گئے اور وہاں کئی لکچر قومیت پر دئیے۔

۱۹۱۵ء میں ٹیگور کی ملاقات گاندھی جی سے ہوگئی۔ گاندھی جی جنوبی افریقہ سے واپس آئے تو کچھ دنوں کے لئے شانتی نکتین میں

ٹھہرے۔ یہاں ان کی اور رابندر ناتھ ٹیگور کی خوب بنی مگر جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے ان کے اور گاندھی جی کے خیالات میں زمین اور آسمان کا فرق تھا اور جب گاندھی جی نے سرکار کے ساتھ "نان کو آپریشن کیا تو ٹیگور گاندھی جی سے الگ ہو گئے۔ اس پر لوگوں نے اعتراضات بھی کئے، لیکن آپ نے ایک بھی نہ سُنی اور خاموشی سے شانتی نکتین کی ترقی میں لگ گئے۔ آپ نے ایک اور ادارہ "وشوا بھارتی" قائم کیا، جس کو تمام دنیا کی تہذیبوں کا مرکز بنایا گیا۔ اس کے علاوہ آپ نے دیہات سدھار کے کام کے واسطے سری نکتین کے نام سے ایک اور بھی مدرسہ کھولا۔

اب ٹیگور کی شہرت دور دور پہنچ چکی تھی۔ سنہ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۰ء تک آپ یورپ اور امریکہ سات مرتبہ گئے جہاں کہیں بھی آپ جاتے تھے۔ آپ کا بڑی دھوم دھام سے استقبال ہوتا تھا۔ ہزاروں دنیا کے بڑے بڑے لوگ آپ کے دوست بن گئے۔

ٹیگور کی شہرت کا اصلی سبب آپ کی کتابیں بنیں۔ آپ نے جو کچھ بھی لکھا خوب لکھا۔ اس میں رنگینی بھی ہے اور ایشور بھگتی بھی۔ دنیا کے دھندوں کا خاکہ بھی ہے اور غریبوں کے دل کی پکار بھی۔ ان کی نظموں میں انسان اپنے سامنے ایک ایسا راستہ دیکھ سکتا ہے جو

اسی صداقت، نیکی، پریم اور ایشور کی طرف لے جاتے۔ ٹیگور نے جو کہانیاں لکھی ہیں وہ ایسی ہیں جیسے خود ہم لوگوں کی آپ بیتیاں ہوں۔ ہم انکو پڑھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم خود ان کہانیوں میں کام کر رہے ہیں اور ہمارے ہی متعلق وہ لکھی گئی ہیں۔ اس پر یہ کہ زبان بہت میٹھی اور سیدھی سادھی ہے۔ ہندوستان کے گاؤں کی زندگی کا نقشہ کھینچنے میں، انسان کی عادت کا خاکہ اُتارنے میں، مذہب کی پول دکھانے میں، امیروں کی دلچسپیوں کا مذاق اُڑانے میں، غریب لوگوں کا دُکھڑا سنانے میں ٹیگور کو کمال حاصل ہے۔ وہ جو کچھ لکھتا ہے اس لئے نہیں کہ ہم پڑھیں اور واہ واہ کریں بلکہ اس لئے کہ پڑھنے کے بعد ہم خاموشی میں سوچیں اور اپنی حالت کو بہتر بنانے کی ترکیب سوچیں۔

ٹیگور کی عمر اسی برس کی ہو چکی تھی۔ وہ شانتی نکتین میں اپنی زندگی گزار رہے تھے۔ مُعمّر ہونے کے باعث بہت کمزور ہو گئے تھے لیکن وہ ہندوستان کے علم ادب کی جان سمجھے جاتے تھے۔ ان کی طبیعت ذرا بھی خراب ہو جاتی ہے تو ساری دنیا میں ہل چل مچ جاتی تھی اور سب ہندوستانی ان کی صحت کے لئے دُعا مانگتے تھے۔

مگر افسوس موت کے آگے کسی کا بس نہیں چلتا۔ پچھلے مہینے

وہ مرض الموت میں گرفتار ہو ہی گئے۔ ڈاکٹروں کی دوائیں، حکیموں کی حکمت، ویدوں کی جڑی بوٹیاں اور ساری دنیا کی دعائیں ان کو نہ بچا سکیں۔ آخر کلکتہ میں اپنے آبائی مکان میں اگست ۱۹۴۱ء میں علم و ادب کا یہ ہندوستانی ستارہ ہمیشہ کے لئے ڈوب گیا۔

تار

از جناب شوکت تھانوی

بنسی پور کے گاؤں بھر میں کمار کے مرنے کی خبر نے ایک اداسی پیدا کر دی تھی اور سب ہی کو اس کی ایک ایک بات یاد آ آ کر رلا رہی تھی کہ وہ یوں بڑوں سے ملتا تھا یوں برابر والوں سے ہنستا کھیلتا تھا اور یوں چھوٹوں سے پیار محبت کی باتیں کرتا تھا۔ میں جو دورہ کرتا ہوا بنسی پور پہنچا تو وہاں ایک سناٹا سا تھا۔ جب مجھ کو کمار کے مرنے کا حال معلوم ہوا تو مجھے بھی بڑا دکھ ہوا وہ ایک ہنس مکھ گورا چٹا چوڑا چکلا جوان تھا۔ بات بات پر ہنسے دیتا تھا اور کسی کام سے کبھی منہ نہ چراتا تھا۔ پچھلی گرمیوں میں جب میں دورہ پر آیا تھا تو کمار نے میرے لئے پہلے ہی سے خس کی ٹٹیاں بنا رکھی تھیں اور سارا دن ان ٹٹیوں کو چھڑکتا اور چھڑکواتا رہا۔ شام کو کھلے ہوئے میدان میں چھڑکاؤ کرا کے اس نے میرے بیٹھنے اور رات کو سونے کا ٹھکانا کیا تھا۔ آج مجھ کو بات بات پر کمار یاد آ رہا تھا اس کے نہ ہونے سے جو تکلیف ہوئی تھی۔

اُسی تکلیف نے وہ آرام یاد دلائے تھے جو اُس نے مجھ کو پہونچائے تھے۔ میں نے سوچا کہ مجھے اُس کے ماں باپ کے پاس جانا چاہیئے۔ نہ جانے ان دُکھیاروں پر کیا بیت رہی ہوگی یہ سوچ کر میں کمار کے یہاں پہنچا تو وہاں کی حالت دیکھ کر خود میرا بھی جی بھر آیا۔ اُس کا باپ جو ابھی ایسا بڈھا بھی نہیں ہوا تھا۔ لکڑی ٹیکتا۔ کلیجہ تھامے ہوئے باہر نکلا اور میرے سامنے بیٹھ کر لگا رونے۔ اُس کی ماں کی حالت تو دیکھی بھی نہ جاتی تھی۔ اچھی بھلی پگلی ہو رہی تھی آتے ہی مجھ سے کہنے لگی۔

"بابوجی میرا لعل مجھے دلوا دو، مجھے سب نے مل کر لوٹ لیا۔"

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا:۔

"ماں جی! اب کلیجہ پر پتھر رکھ کر صبر کرو۔"

کمار کی ماں نے پھٹی ہوئی آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:۔

"ہے پرماتما میں کیسے دھیرج رکھوں۔ تم نے میرا لعل مجھ سے چھین لیا۔"

یہ کہہ کر وہ اس بُری طرح روئی کہ میرے آنسو بھی نکل پڑے مگر میں یہاں رونے نہیں آیا تھا بلکہ ان دُکھیاروں کو سمجھانے آیا تھا

اُس لئے میں نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھ کر کمار کے باپ سے کہا:-
"مہراج کچھ پتہ چلا کہ اُسے ہوا کیا تھا؟"
کمار کے باپ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا:-
"ہوتا کیا بابو جی - میں نے تو پہلے ہی اُس کو روکا تھا کہ اپنے گھر اپنے گاؤں کی پھٹی روٹی شہر کے حلوے مانڈے سے بھلی ہے - پر اُس نے ایک نہ سُنی - کہنے لگا پتاجی میں شہر سے آکر تمھارا سارا قرضہ چکا دوں گا"
کمار کی ماں نے بات کاٹ کر کہا:-
"بس اسی لالچ میں تم نے میرے لعل کو ہاتھ سے بے ہاتھ کر دیا"-
کمار کے باپ نے کہا:- "ارے تو کیا میں اُس کے اور اپنے کرم پڑھے ہوئے تھا - جب اُس نے بہت منت سماجت کی تو میں نے بھی اُس کا دل رکھنے کو اپنے بھاگ پھوڑ لئے"
میں نے کہا:- مگر کچھ پتہ بھی چلا کہ شہر جا کر اُسے ہوا کیا تھا؟
باپ نے کلیجہ تھام کر کہا:- "ارے بابو جی اب جو بھی ہوا ہو - بس ہوا یہ کہ پرماتما نے ان کو اُٹھا لیا اور ہم دونوں کو کرم کے لکھے پورے کرنے کو چھوڑ دیا - اور تو اور بابو جی بہو کو دیکھ کر اور بھی کلیجہ پھٹا جاتا ہے - ابھی چھ مہینے ہوئے گونا ہوا ہے - برات کی چندری تک میلی

۔۔۔ی نگری دھوا ہو گئی۔

ماں نے کہا۔ "اُس کا پھیرا ایسا ہوا کہ بیچارا بچہ ہی ختم ہو گیا۔"

میں نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "نا ماں جی ایسی بات نہ کہو۔ غریب پر تو یوں ہی پہاڑ ٹوٹا ہے۔ اس میں اُس کا آخر کیا دوش ہے تو اس بات پر رہ رہ کر اچنبھا ہو رہا ہے کہ کمار شہر گیا تھا تو آخر مجھ سے کیوں نہیں ملا۔ میں نے اُس کو اپنا پتہ بھی دے دیا تھا اور پچھلی گرمیوں میں جب میں آیا تھا تو اُس نے مجھ سے کہا تھا کہ بابو جی میں شہر آیا تو تمہارے درشن کئے بنا گھر نہ لوٹوں گا۔"

"ماں نے کہا۔ تو وہ گھر کب لوٹا اُس کو تو کسی نے راستہ ہی میں لوٹ لیا۔"

باپ نے کہا۔ "ارے اُس کو کیا، لوٹ تو ہم کو لیا۔ گود تو ہماری خالی کر دی۔ اندھے کی لاٹھی کسی نے چھین لی اور اب ہم اس اندھیر نگری میں ٹاپنے کے لئے رہ گئے۔"

میں نے کہا۔ "اگر مجھے پتہ چل جاتا کہ کمار شہر میں ہے تو میں اسے اپنے پاس رکھ لیتا۔ نہ جانے غریب کو کیا مرض ہوا اور کس طرح اُس نے اپنا آخری وقت جھیلا۔ ہاں تم کو خبر کیسے ہوئی؟"

باپ نے کہا۔ "خبر کیا بابو جی وہی آیا تھا تار۔ میرے ۔۔۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

میں نے بڑی زور سے ہنس کر کہا:۔ "واہ ۔ واہ ۔ واہ"

اب تو سب میری طرف ٹکٹکی باندھے ہوئے دیکھ رہے تھے میں نے سب کو تار پڑھ کر سنایا اور کہا کہ اسی شکار کی وجہ سے تو میں بھی آیا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ جیسے بڑے میاں جیسے ایک دم سے پھر جوان ہو گئے ہیں۔ کمار کی ماں کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ وہ اس وقت خوشی کے مارے کیا کرے اور سچ تو یہ ہے کہ خوشی خود مجھے بھی تھی مگر دُکھ اس کا تھا کہ اگر یہ بستی ایسے جاہلوں سے بھری ہوئی نہ ہوتی تو یہ دُکھ ان غریبوں کو کیوں پہنچتا۔

ہمارے صوبہ میں گھی پنچائتیں

(از جناب بدیع الدین صاحب ناظر متعلم ایم اے)

گھی زندگی اور صحت کے لئے جس قدر ضروری ہے اس کو ہر شخص اچھی طرح سمجھتا ہے اور اسی وجہ سے اس کا استعمال قدیم اور پرانے زمانہ سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ ہر ملک۔ ہر قوم۔ ہر مذہب۔ ہر فرقہ اور ہر نسل کا آدمی اس کو جدا جدا طریقوں اور کئی طرح سے کام میں لاتا ہے اور اس کو اپنی زندگی اور صحت و تندرستی قائم رکھنے کے لئے ضروری خیال کرتا ہے۔ ہمارے ملک میں دو کروڑ تیس لاکھ من گھی سالانہ یعنی ہر برس خرچ ہوتا ہے۔ جس کی قیمت ایک ارب روپیہ کے لگ بھگ ہوتی ہے۔

گھی کی تجارت یوں تو عام طور سے بڑی بڑی منڈیوں اور بازاروں میں بڑے بڑے بنیوں اور مالدار بیوپاریوں ہی کے ہاتھ میں ہے جو لاکھوں روپئے کا نفع اس بیوپار میں پیدا کرتے ہیں مگر اصل میں گھی نکالنے کا کام گانوں کے باشندے ہی انجام دیتے ہیں اور

یہ سیدھے سادے اَن پڑھ دیہاتی بھائی اپنے بھائی کو اچھی قیمت پر یا بازار کے بھاؤ پر نہیں بیچ سکتے۔ کیونکہ گاؤں میں ان بیوپاریوں کے دلّال یا آڑتی ان غریبوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ اپنا گھی ان کے ہاتھ بازار کے بھاؤ سے بہت سستا بیچ ڈالیں اور یہ غریب ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔ آئیے ہم آپ کو بتائیں کہ ہمارے دیہاتی اپنے گھی کو ان بنیوں اور بیوپاریوں کے ہاتھ سستا بیچ ڈالنے پر کیوں مجبور ہیں۔

(۱) ہندوستان کے باشندے جس قدر غریب اور قرض کی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہیں وہ سب کو معلوم ہے۔ ان کے پاس اتنی پونجی ہی نہیں ہوتی جو اُس کو کسی کاروبار میں لگا کر کوئی فائدہ پا سکیں؟ وہ بیچارے مجبور ہیں کہ اپنی ہر ضرورت کے لئے گانوں کے مہاجن سے سودی روپیہ قرض لیں۔ اور جو شرط اس قرضہ کے ادا کرنے کی مہاجن منوانا چاہے اس کو یہ مانیں۔ اس طرح جب کوئی دیہاتی کسان دودھ کا جانور مثلاً گائے یا بھینس خریدنا چاہتا ہے تو گانوں کے مہاجن سے روپیہ قرض لیتا ہے۔ اُس وقت مہاجن صاحب کی پہلی شرط یہ ہوتی ہے کہ وہ اس روپیہ سے خریدے ہوئے جانور کا گھی ان کے ہاتھ بیچے۔ اس غریب کو مہاجن کی یہ شرط ماننا پڑتی ہے اب

جس وقت گھی لینے کا وقت آتا ہے تو اس غریب سے کم داموں پر
بازار کے بھاؤ سے گرا کر خریدا جاتا ہے۔
(۲) اوّل تو دیہاتی لوگ اپنا گھی شہر کے بازاروں اور منڈیوں
میں لاتے ہی نہیں جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ گاؤں میں مہاجن انکا
گھی خرید لیتا ہے۔ اگر وہ کسی نہ کسی طرح شہر کی منڈیوں میں آ بھی
آ جاتے ہیں تو ان کو طرح طرح سے ستایا اور لوٹا جاتا ہے۔ تولتے
تلانے میں بے ایمانی کی جاتی ہے۔ دام دیتے وقت بیسوں طرح
کے لاگی ان کے سامنے لا کھڑے کئے جاتے ہیں کہ ان سب کو
کچھ نہ کچھ دو۔ مثلاً کوئی تولنے والا ہے۔ کوئی آڑتی کا منیم ہے۔ کوئی
سادھو ہے۔ کوئی گئوسالہ کا رکھشا بندھو ہے وغیرہ وغیرہ۔
(۳) مہاجن کی اسی پر بس نہیں۔ گھی خرید لینے کے بعد اُس کی
کوشش ہوتی ہے کہ مقرر یا طے کی ہوئی قیمت سے بھی کم قیمت
دی جائے۔ جس کی عام ترکیب یہ کی جاتی ہے کہ غریب کسان سے
کہا جاتا ہے کہ تیرے برتن میں اوپر اوپر کا گھی تو اچھا تھا مگر نیچے کا
گھی خراب ہے اس لئے تمھیں کم دام لینا ہوں گے۔ اب وہ مجبور ہے۔
(۴) سرکار یا میونسپلٹی بھی ان پر چونگی کا محصول لگاتی ہے اس
کے علاوہ چونگی کے سپاہی یا منشی صاحب کو بھی کچھ نہ کچھ بھینٹ

چڑھانا ہوتی ہے۔

(۵) اتفاقیہ جب شہر میں ان کا گھی نہیں بکتا تو یہ لوگ بہت پریشان ہوتے ہیں اور دل میں ٹھان لیتے ہیں کہ جس طرح بھی بن پڑے اُلٹے سیدھے داموں گھی کو بیچ کر اپنی ضرورت پوری کریں۔ اور گھر کو واپس لوٹیں۔ کیونکہ گھی کو لوٹا لے جانے میں اور دس کام رکتے ہیں اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس طرح جب شہر کی منڈیوں کے آڑتی غریب دیہاتیوں کو ہر طرح ستا کر اپنا اُلّو سیدھا کر چکتے ہیں تو اب وہ اپنے شہری گاہکوں کی دونوں ہاتھوں سے بلکہ یوں کہنا چاہیئے اُلٹے استرے سے حجامت بناتے ہیں۔ پہلے تو وہ تازہ اور اصلی گھی میں چربی، تیل، بناسپتی گھی، کوڈجم وغیرہ ملاتے ہیں۔ پھر اس کو بہت مہنگا بیچتے ہیں۔ اس طرح شہری لوگ جن کو گھی کھانے والے کہنا چاہیئے وہ بھی نقصان میں رہتے ہیں اور اصلی گھی نکالنے والے دیہاتی لوگ بھی خوب منڈتے ہیں اور بیچ میں مہاجن، بیوپاری اور آڑتی لوگ مزے کرتے ہیں اور دونوں طرف سے فائدہ کماتے ہیں۔ ان مشکلوں اور دقتوں کو دور کرنے اور دیہاتی بھائیوں کو ان کے گھی کے دام بازار بھاؤ پلّے پڑنے کے واسطے اور نیز گھی کھانے والوں کو اصلی گھی مل سکنے کی

خاطر ہمارے صوبہ میں گھی پنچائتیں بنائی گئی ہیں۔ اس مضمون میں ہم بتانا چاہتے ہیں کہ ان پنچایتوں کے کیا کیا فائدے ہیں۔

سب سے پہلے گھی پنچائت ضلع آگرہ میں بنائی گئی تھی۔ اس سے بہت فائدہ پہونچا۔ اس کی کامیابی اور ترقی کو دیکھ کر آگرہ کے آس پاس کے ضلعوں یعنی مین پوری، اٹاوہ میں گھی پنچائتیں قائم ہو گئیں۔ اور اب ان کی تعداد چار سو کے قریب ہے۔ اور یہ سب پنچائتیں اپنا کام بہت اچھی طرح پوری کر رہی ہیں۔ ہر گانوں کے لئے ایک گھی پنچائت کا ہونا ضروری ہے۔ ہر گانوں والا جو وہاں کا رہنے والا ہے وہ اُس کا ممبر بن سکتا ہے۔ ممبر بننے کی داخلہ فیس صرف ایک روپیہ ہے۔ یہ پنچائت اپنے ممبروں میں سے چند آدمیوں کا چناؤ کر لیتی ہے جو اس پنچائت کا کام کرتے ہیں۔ یہ پنچ اپنے سب ممبروں سے اس بات کا قول و قرار لے لیتے ہیں کہ وہ ہر گائے اور بھینس کا ایک ایک من یا دو دو من گھی پنچائت کو دیتے رہیں گے اور پنچائت کے لئے لازمی ہوتا ہے کہ وہ اس گھی کو فروخت کرے اور اُن کے مالکوں کو اُن کے گھی کے دام چکائے۔ یہ پنچائت گانوں والے سے گھی بازار کے بھاؤ سے کم بھاؤ پر یعنی کسی قدر سستا ضرور خریدتی ہے مگر اتنا سستا یا اتنے کم داموں پر

نہیں، جتنا کہ منڈیوں میں شہر کے آڑتی یا گاؤں کے مہاجن خریدتے ہیں اور ان کو لوٹتے ہیں۔

ان پنچائتوں کے اصل فائدے یہ ہیں :-

(۱) یہ پنچائتیں اپنے ممبروں کو اکثر پیشگی قیمت اُن کے گھی کی دے دیتے ہیں۔ اس طرح دیہات والے سودی روپیہ لینے سے بچ جاتے ہیں اور اپنا کام جاری رکھتے ہیں۔

(۲) منڈیوں میں تول ناپ میں جو بے ایمانی سے کام لیا جاتا ہے اس کا کھٹکا جاتا رہا، کیونکہ وہ پنچائت جس کے یہ ممبر ہوتے ہیں اُن کا گھی ایمانداری کے ساتھ پورا پورا تول کر لیتی ہے۔

(۳) کسان کو منڈیوں اور شہروں میں گھی کی قیمت پاتے وقت ایک اچھی خاصی رقم تولنے والے سادھو اور گئو سالہ کی بھینٹ چڑھانا پڑتی تھی۔ اُس سے پنچائت بچاتی ہے۔

(۴) سب سے بڑی بات یہ کہ گاہکوں کو خالص اور تازہ گھی مل سکتا ہے۔

پھولوں کی ڈالی

قومی، اخلاقی اور اسلامی نظموں، رباعیات، قطعات
ترانوں اور گیتوں کا دلگداز اور ولولہ انگیز گلدستہ

خان بہادر خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری انسپکٹر آف اسکولس یو۔پی نے شعرائے قدیم و شعرائے حال کے کلام سے سجایا ہے، انتخاب میں ایسے اشعار لئے ہیں کہ جنکا ایک ایک لفظ تیر و نشتر ہے۔ حمد، مناجات، نعت، اخلاق، درس عبرت، نصائح، درس عمل، حب وطن اور محبت وغیرہ عنوانات کے تحت میں مؤثر اور مقبول کلام جمع کیا ہے۔ چھوٹے بڑے عام طور پر پسند کرتے ہیں۔ بچے اس بابرکت مجموعہ کو اپنے بزرگوں کی خدمت میں ہدیۃً پیش کرتے ہیں اور بوڑھے اپنے بچوں کو ان کے اخلاق سنوارنے کے لئے تحفۃً دیتے ہیں۔ آپ بھی اپنے بچوں کو، اپنے دوستوں کے بچوں کو تحفۃً دیجئے۔ محکمۂ توسیع تعلیم یو۔پی نے کئی ہزار جلدیں اپنی لائبریریوں کے لئے خرید کی ہیں۔ صرف تھوڑی جلدیں بچ رہی ہیں جو ہاتھوں ہاتھ نکل رہی ہیں، آپ دیر نہ لگائیں۔

کاغذ، لکھائی، چھپائی عمدہ، ٹائٹل سہ رنگا، حجم ۳۵۰ صفحات۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ

ملنے کا پتہ

صدیق بک ڈپو۔ لکھنؤ

Cover page printed at Maxwell Press, 66, La-Touche Road, Lucknow.